مجلس ادارت

معارف کا زر تعاون

ہندوستان میں سالانہ ۱۲۰ روپے ‌ ‌ ‌ فی شمارہ ۱۲ روپے

پاکستان میں سالانہ ۳۰۰ روپے

دیگر ممالک میں سالانہ

ہوائی ڈاک پچیس ۲۵ پونڈ یا چالیس ۴۰ ڈالر

بحری ڈاک نو ۹ پونڈ یا چودہ ۱۴ ڈالر

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ: حافظ محمد یحییٰ، شیرستان بلڈنگ

بالمقابل ایس ایم کالج اسٹریچن روڈ، کراچی۔

☆ سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH

☆ رسالہ ہر ماہ کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوتا ہے، اگر کسی مہینہ کی ۱۵ تاریخ تک رسالہ نہ پہنچے تو اس کی اطلاع ماہ کے تیسرے ہفتہ کے اندر دفتر میں ضرور پہونچ جانی چاہئے، اس کے بعد رسالہ بھیجنا ممکن نہ ہوگا۔

☆ خط و کتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

☆ معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔

☆ کمیشن ۲۵٪ ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہئے۔

پرنٹر، پبلیشر، ایڈیٹر۔ ضیاء الدین اصلاحی نے معارف پریس میں چھپوا کر دار المصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ سے شائع کیا۔

جلد ۱۷۰ ‌ ‌ ماہ جمادی الآخر ۱۴۲۳ھ مطابق ماہ ستمبر ۲۰۰۲ء ‌ ‌ عدد ۳

فہرست مضامین

مقالات

مقدمہ سیرۃ النبی ﷺ

مؤلفہ: علامہ شبلی نعمانیؒ

سیرۃ النبی دار المصنفین کی سب سے مشہور و مایہ ناز تصنیف ہے، اس کا عالمانہ و محققانہ مقدمہ خاص اہمیت کا حامل ہے، اس شاہکار مقدمہ میں روایت و درایت کے اصول، سیرت نبوی کی تالیف کی ضرورت، فن سیرت کی ابتدا، مغازی، درایت کی ابتدا، تحقیق روایت کا اصول قرآن و حدیث میں، ابتدائی مصنفین سیرت، کتب سیر، قیاس و درایت، روایت بالمعنی وغیرہ پر مفصل تبصرہ ہے۔

مقدمہ سیرت کی اسی اہمیت و خصوصیت کی بنا پر دار المصنفین نے اسے علاحدہ طبع کرایا ہے، چنانچہ اس کا نہایت دیدہ زیب پہلا کمپیوٹرائیڈ ایڈیشن چھپ کر آچکا ہے، قدرداں اس سے فائدہ اٹھائیں۔

قیمت: ۳۰ روپے

شذرات

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری کے بانی مولوی خدا بخش خاں مرحوم ۲؍اگست ۱۸۴۲ء کو پیدا ہوئے اور ۳؍اگست ۱۹۰۸ء کو ان کی وفات ہوئی، اس مناسبت سے ان تاریخوں میں ہر سال وہاں ان کی ولادت کا جشن منایا جاتا اور ایصال ثواب کا اہتمام کیا جاتا ہے، اس سال ۴؍اگست کو مولوی خدا بخش خاں مرحوم کے خاص ذوق کی مناسبت سے مشرقی کتب خانوں کے موضوع پر ایک روزہ سمینار منعقد ہوا، اس میں اور جلسۂ سیرت میں لائبریری کے فاضل ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد ضیاء الدین انصاری نے مجھ کو بھی شرکت کا شرف بخشا، سیرت کا جلسہ ۳؍اگست کو مغرب کی نماز کے بعد مولانا نظام الدین صاحب، امیر شریعت بہار، جھارکھنڈ اور اڑیسہ کی صدارت میں ہوا اور ملک کے مشہور عالم و مفسر قرآن مولانا اخلاق حسین قاسمی نے جو اچھے خطیب اور مصنف بھی ہیں، بڑی موثر اور دل پذیر تقریر فرمائی، جو سیرت کی عامیانہ و مروجہ تقریروں سے مختلف تھی، خدا بخش لائبریری میں مولانا ابوالکلام آزاد ریسرچ سینٹر قائم ہوا ہے، ۴؍اگست کو اس کا افتتاح صبح ۹ بجے مولانا اخلاق حسین قاسمی نے کیا، ۹:۳۰ بجے سمینار کا افتتاحی جلسہ جسٹس آفتاب عالم (پٹنہ) کی صدارت میں ہوا جس کی نظامت جناب شفیع مشہدی نے اپنے خاص دلکش انداز میں کی، جناب ضیاء الدین انصاری نے خطبۂ استقبالیہ پڑھا اور جناب علاء الدین سابق وائس چانسلر جامعہ ہمدرد کی افتتاحی تقریر اور خدا بخش لائبریری کے سابق ڈائرکٹر جناب حبیب الرحمن چغانی کا کلیدی خطبہ ہوا، اسی اثنا میں مولانا اخلاق حسین قاسمی کے ہاتھوں سے لائبریری کی نئی مطبوعات کے اجرا کی رسم انجام پائی، صدارتی تقریر اور اسسٹنٹ ڈائرکٹر ڈاکٹر سلیم الدین احمد کے کلمات تشکر کے بعد کارروائی ختم ہوئی۔

سمینار کا پہلا جلسہ ۱۱ بجے مولانا اخلاق حسین قاسمی کی صدارت میں شروع ہوا، اس کی نظامت پروفیسر امتیاز احمد (پٹنہ یونیورسٹی) نے کی، راقم نے کتب خانہ دارالمصنفین، ڈاکٹر غیاث مخدومی نے کتاب خانہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، ڈاکٹر سنیتا شرما (پٹنہ) نے مغل شاہزادوں کے کتاب خانے اور جناب خدا بخش نے سالار جنگ لائبریری حیدرآباد کے عنوان سے مقالے پڑھے، دوسرا جلسہ ۳ بجے خاکسار کی صدارت میں ہوا، اس میں مولانا عبدالحمید نعمانی نے کتب خانہ دارالعلوم دیوبند کتاب پر، ڈاکٹر ضیاء الدین انصاری نے خلفائے عباسیہ کا کتب خانہ بیت الحکمت، پروفیسر امتیاز احمد (پٹنہ) نے شاہان مغلیہ کے کتاب خانے، ڈاکٹر سلیم الدین احمد (خدا بخش لائبریری) نے خدا بخش لائبریری اور ڈاکٹر ذاکر حسین (خدا بخش لائبریری) نے تیموری شاہزادوں کے ابتدائی کتاب خانے کے عنوان سے مقالے پڑھے جن پر بحث و مباحثہ بھی ہوا، آخر میں تاثراتی تقریریں ہوئیں، مولانا نظام الدین صاحب امیر شریعت اور مولانا انیس الرحمن قاسمی ناظم امارت شرعیہ کی خواہش اور مفتی نسیم قاسمی نائب ناظم کے اصرار پر ایک رات دفتر امارت شرعیہ پھلواری میں گزاری، پھر بعد خانقاہ مجیبیہ اور قبرستان جا کر فاتحہ پڑھا، المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء کا ہوسٹل، اس کا اور مولانا مجاہد الاسلام قاسمی مرحوم کا کتب خانہ اور امارت کے

زیر اہتمام چلنے والا کمپیوٹر سکشن دیکھا، اس سفر میں میرے چھوٹے لڑکے سلیم جاوید ساتھ تھے، انہوں نے میرے آرام اور راحت کا بڑا خیال رکھا، اللہ تعالیٰ انہیں علم نافع اور عمل صالح سے بہرہ ور کرے۔

مدرسۃ الاصلاح سرائے میر ہندوستان کی ممتاز اور اعظم گڈھ کی قدیم دینی درس گاہ ہے، اس کی تعمیر و ترقی میں علامہ شبلیؒ اور مولانا حمید الدین فراہیؒ کا نمایاں حصہ رہا ہے، دینی علوم کے ساتھ جدید علوم اور صنعت و حرفت کی تعلیم بھی مدرسہ کے مقاصد میں شامل ہے، چونکہ اس زمانے میں جدید علوم کی تحصیل زیادہ ضروری ہوگئی ہے اس لئے یہاں انٹرمیڈیٹ کے مساوی انگریزی، سائنس اور ریاضی کی تعلیم بھی دی جاتی ہے، ہندی زبان کی تعلیم پرائمری درجات میں ہوتی ہے، چند برس قبل حکیم محمد مختار اصلاحی پالی ٹکنک کالج کا قیام عمل میں آیا ہے، جس میں دو تین برس سے کمپیوٹرس کی نظری و عملی تعلیم ہو رہی ہے، اگر حالات ساعد رہے تو جلد ہی بعض مزید ٹکنیکل شعبے کھولے جائیں گے، طلبہ کو تقریر و تحریر کی مشق کرائی جاتی ہے، ہر سال ان کی میگزین شائع ہوتی ہے اور سالانہ تقریری و تحریری مقابلے ہوتے ہیں، اس سال ۱۳؍اگست کو ان کے تقریری مقابلے کا جلسہ ہوا اور ۱۴؍اگست کو "فقہ، اصول فقہ اور فقہا" کے موضوع پر فضیلت طلبہ نے سمینار کرایا جس میں مجھے بھی شریک ہونے کا موقع ملا، طلبہ کا یہ سمینار اساتذہ کی رہنمائی اور سرپرستی میں ہوا مگر مقالے صرف طلبہ نے پڑھے اور بحث و مذاکرہ میں بھی انہوں نے ہی حصہ لیا، یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ طلبہ نے بڑی جرأت و ہمت سے بے دھڑک مقالے پڑھے اور مباحثہ میں حصہ لیا، ان کی استعداد اور معیار کے لحاظ سے سمینار اچھا خاصا رہا، مجھے معلوم نہیں کہ دوسرے مدارس میں طلبہ کے اپنے سمینار ہوتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہ ہوتے ہوں تو انہیں بھی اپنے یہاں اس کو رواج دینا چاہئے اور کئی مدارس کے منتخب طلبہ کے سمینار اور تقریری مقابلے ہوں تو وہ بھی مفید ہوں گے۔

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے پبلک ریلیشنز افسر ڈاکٹر ظفر الدین کے خطوط سے یونیورسٹی کی سرگرمیوں کا حال برابر معلوم ہوتا رہتا ہے، تازہ مکتوب سے معلوم ہوا کہ گزشتہ برسوں کے مقابلے میں اس سال داخلہ لینے والوں کی تعداد زیادہ بڑھ گئی ہے، اس کی وجہ سے سنٹر بھی بڑھانے پڑے، ایک طرف داخلے اور ٹسٹ ہو رہے ہیں تو دوسری طرف امتحانات کا سلسلہ بھی جاری ہے، سب سے زیادہ خوش آیند خبر یہ ہے کہ اردو یونیورسٹی نے ملک میں پہلی بار اردو میں کامرس کے انڈر گریجویٹ کورس کی نصابی کتابیں برائے فاصلاتی تعلیم تیار کرلی ہیں، بی کام سال دوم کے چھ مضامین کی ۲۰ کتابیں اور سال سوم کے چھ مضامین کی ۲۵ کتابیں یعنی کل ۴۵ کتابیں عمدہ کاغذ پر رنگین سرورق کے ساتھ اعلا پیمانے پر شائع کی گئی ہیں، یہ کتابیں ٹرانسلیشن ڈویژن کے کوآرڈینیٹر سید مصطفیٰ کمال کی نگرانی میں مختلف یونیورسٹیوں اور کالجوں سے منسلک یا سبک دوش کامرس کے سینیئر اساتذہ کی ایک بڑی ٹیم نے تیار کی ہے جو اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی کے انگریزی نصاب پر مشتمل ہیں، دوسری یونیورسٹیاں اگر اپنے یہاں اردو میڈیم میں فاصلاتی طریقۂ تعلیم شروع کرنا چاہیں تو اردو یونیورسٹی خیر سگالی کے

طور پر ان کو اپنا تیار کردہ میٹریل کورس دینے کے لیے تیار ہے، کتابوں کی زبان علمی ہونے کے باوجود آسان اور عام فہم ہے، اردو ذریعہ تعلیم کے طلبہ کو وقت سے بچانے کے لیے انگریزی اصطلاحیں بھی درج کی گئی ہیں۔

پروفیسر محمد شمیم جیراجپوری کی فعال قیادت اور ان کی اور ان کے رفقائے کار کی مخلصانہ جد وجہد سے چار برس کی مختصر مدت میں یونیورسٹی نے جو تیز رفتار اور حیرت انگیز ترقی کی ہے وہ ڈاکٹر امبیڈکر یونیورسٹی کے سابق چانسلر پروفیسر افضل محمد کے بقول کسی معجزے سے کم نہیں، لیکن تشویش کی بات یہ ہے کہ پروفیسر محمد شمیم کی مدت کار چند ماہ بعد ختم ہونے والی ہے، وہ فرماتے ہیں "یونیورسٹیوں یا دیگر اداروں میں لوگ آتے جاتے رہتے ہیں، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے، ادارے اپنے قوانین وضوابط سے چلتے رہتے ہیں جو کسی کے آنے جانے سے متاثر نہیں ہوتے" اصولی طور پر ان کی بات درست ہے، امکان اس کا بھی ہے کہ ان سے بہتر شخص آجائے ع مردے از غیب بروں آید و کارے بکند، مگر ہماری قوم میں قحط الرجال ہے، یونیورسٹی کی عمر ہی کیا ہے اس کو ابھی بہت سے ضروری کام کرنے ہیں، ہمارا دل دھڑک رہا ہے کہ ع دگر دانائے راز آید نہ آید، اس لیے اکثر اردو والوں کی خواہش ہے کہ انہیں اردو یونیورسٹی کو چمکانے اور سنوارنے کے لیے ۵ سال کا مزید موقع ضرور ملنا چاہیے مگر وہ اپنی مادر درس گاہ میں واپس جانے اور اپنے گھر والوں کے ساتھ رہنے کے لیے بہت بے چین اور بے قرار ہیں، کیا وہ اپنی اس مادری زبان کے لیے جو آزاد ہندوستان کی اس وقت سب سے مظلوم زبان ہے کوئی قربانی نہیں دے سکتے۔

مکتب عشق کا دیکھا یہ نرالا دستور
اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

اردو کی مظلومی کا ذکر آتے ہی اتر پردیش میں اس کے حال زار کا منظر نگاہوں کے سامنے رقص کرنے لگتا ہے، یہاں کانگریسی حکومتوں نے اردو کے فروغ کے لیے اتر پردیش اردو اکادمی اور فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی قائم کیا مگر وہ اس میں مخلص اور نیک نیت نہیں تھیں، ان کی اپنی سیاسی مصلحتیں، اردو والوں کی زبان بندی اور ان کا استحصال ہی ان حکومتوں کا اصل مقصد تھا، تاہم شروع میں ان کے قیام سے اردو کا کچھ بھلا بھی ہوا، مگر کانگریسی حکومتوں کے خاتمے کے بعد ان کے جانشینوں نے اردو کے ان باوقار اداروں کو بازیچہ اطفال بنادیا ہے، اکیڈمی کے عہدے دار اور ایکزیکیوٹیو اور کونسل کے ارکان وہی لوگ مقرر کیے جاتے ہیں جو برسر اقتدار پارٹی سے تعلق رکھتے ہوں اور اردو کو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکتے ہوں، بلکہ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ اردو سے ناواقف لوگوں کو بھی ان کا ذمہ دار بنادیا گیا ہے، اس طرح یہ ادارے بے فیض اور تعطل کا شکار ہوگئے ہیں، فخر الدین کمیٹی میں مسودے دیمکوں کی خوراک ہو رہے ہیں، کتابت، اسکولوں اور تعلیمی اداروں کے طلبہ کو وظائف دینا اردو اکادمی نے بند کردیا ہے، ایوارڈ اور کتابوں پر انعامات کا اعلان اخباروں میں ہو جاتا ہے مگر ان کی تقسیم عمل میں نہیں آتی، فریاد کس سے کی جائے، اس لاقانونیت اور سیاسی عدم استحکام کے زمانے میں کون سنتا ہے فغان درویش۔

مقالات

سائنسی علوم کی اہمیت

اصول فقہ کی روشنی میں

از: مولانا محمد شہاب الدین ندوی مرحوم *

(۲)

منصوص مسائل میں اجتہاد باطل

اس موقع پر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ اصولی اعتبار سے جو بات یا جو حکم منصوص طور پر ثابت ہو جائے اس میں قیاس واجتہاد کا کوئی دخل نہیں ہوسکتا۔ بالفاظ دیگر منصوص احکام ومسائل کو ہم محض اپنی "صوابدید" کی بنا پر یا اس میں کوئی "عقلی احتمال" پیدا کرکے یا اس میں کسی قسم کی تاویل کرکے اسے رد نہیں کرسکتے۔ کیوں کہ منصوص مسائل میں اس قسم کی کوئی حرکت ناجائز اور باطل ہے۔ جو شرعی اعتبار سے قابل مؤاخذہ گناہ ہے۔ بلکہ یہ بات خدا کی نافرمانی میں شمار ہوسکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بات کا حکم دے رہا ہو یا کسی چیز کی مصلحت بیان کررہا ہو تو ہم مجرد اپنے قیاس ورائے کی بنا پر اسے رد نہیں کرسکتے اور اس میں خامیاں نکال کر اسے بے معنی بات قرار نہیں دے سکتے۔ بلکہ احکام الٰہی پر بے چون وچرا عمل کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔ اسی لئے ارشاد باری ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا (احزاب:۳۶)

کسی مومن یا مومنہ کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ کردیں تو اس کے لئے کوئی ذاتی اختیار رہ جائے۔ (لہذا) جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہوجائے گا۔

* سابق جنرل سکریٹری فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ، بنگلور - ۲۹

اصل بات یہ ہے کہ نصوص میں کسی بھی قسم کی تاویل کرنا یا قیاس و اجتہاد کے نام پر ان مدلولات کو بے معنی قرار دینا گویا کہ احکام الٰہی میں کتر بیونت کرنا یا ان میں رد و بدل کرنا ہے، جس کا اختیار کسی عالم و فاضل کو تو کجا خود رسول ﷺ کو بھی نہیں تھا۔ چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَاۤئِ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ○ (یونس:۱۵)

کہہ دو کہ مجھے اس بات کا کوئی اختیار نہیں ہے کہ میں اس (قرآن) میں اپنی طرف سے کسی قسم کی تبدیلی کر سکوں، میں تو صرف اسی بات کی پیروی کرتا ہوں جو بذریعہ وحی میرے پاس بھیجی جاتی ہے۔ میں تو (اس معاملے میں) بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں، اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں۔

نصوص میں تبدیلی محال ہے اس موقع پر ایک سوال یہ بھی ہے کہ ان نصوص اور خاص کر عبارۃ النص سے ثابت شدہ مفہوم و مدلول کبھی بدل سکتا ہے؟ دوسرے لفظوں میں باری تعالیٰ جس بات کو ثابت کرنے کے لئے قصداً جو کلمات لائے ہیں ان میں الٹ پھیر ہو جائے گا، جس کی بنا پر وہ مفہوم بدل جائے گا؟ ظاہر ہے کہ ایسا سوچنا خود باری تعالیٰ کے کلام میں شکوک و شبہات پیدا کر دینا ہے، گویا کہ ہم کلام الٰہی کی قطعیت میں تشکیک پیدا کر رہے ہیں، حالانکہ اس سلسلے میں خود باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الۤرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ (ہود:۱)

الف لام را، یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں مضبوط کی گئی ہیں اور پھر ان کی تفصیل ایک حکمت والی اور باخبر ہستی کی (بارگاہ خاص) سے کی گئی ہے۔

یعنی کتاب اللہ کی آیات علمی اعتبار سے اتنی مضبوط و مستحکم ہیں کہ ان میں کسی قسم کی تبدیلی کا سوال پیدا نہیں ہوتا، کیوں کہ وہ خدائے علیم و خبیر کی جانب سے اس کے علم خصوصی کے طور پر نازل شدہ کلام ہے۔ اس موقع پر "فُصِّلَتْ" جو لفظ لایا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ کتاب اللہ میں علمی حقائق کا بیان مختلف الفاظ اور پیرایوں میں مکرر طور پر کیا گیا ہے اور اس مقصد کے لئے جگہ جگہ "تفصیل" اور "تصریف" کے الفاظ لائے گئے ہیں اور اس سلسلے میں ایک حیرت انگیز علمی حقیقت یہ ہے کہ اتنی ساری تفصیلات کے باوجود معنوی اعتبار سے کتاب الٰہی میں کہیں بھی کوئی "تناقض" موجود نہیں ہے تو کیا یہ کتاب الٰہی کا کمال نہیں ہے کہ اختلاف اسالیب کے باوجود اس کے منصوص بیانات میں کوئی اختلاف

نہیں ہے؟ اسی لئے فرمایا گیا ہے:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (نساء:۸۲)

کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی جانب سے ہوتا تو وہ اس میں ضرور بہت سا اختلاف پاتے۔

لہٰذا قرآن میں معنوی اختلاف کا نہ پایا جانا اس کے نصوص کا کمال ہے، جو کبھی نہیں بدل سکتے، کیوں کہ ایک نص کا بھی بدل جانا اس کی تمام "تفصیلات" پر پانی پھیر سکتا ہے اور اس کے نتیجے میں پورا کلام الٰہی "مشتبہ" ہو جائے گا، لہٰذا جب کوئی مفہوم منصوص طریقے سے ثابت ہو جائے تو وہی "اللہ کی بات" ہے اور اہل اسلام کا فرض ہے اللہ کی بات کو ہمیشہ مضبوطی کے ساتھ تھام لیں، جیسا کہ بعض احادیث میں اس کی تاکید کی گئی ہے کہ جب تک تم قرآن اور حدیث پر جمے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو سکو گے۔ چنانچہ اس مسئلے پر خود قرآن حکیم میں اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران:۱۰۳)

اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔

لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ

اللہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔

یعنی اس کے منصوص بیانات کبھی نہیں بدل سکتے، وہ ہمیشہ سے لازوال ہیں اور تا ابد لازوال رہیں گے۔

یہ عجب بات ہے کہ اہل علم حضرات قرآن کے فقہی مسائل میں ان نصوص سے کام لیتے ہوئے بہت سارے "مسائل" کا استنباط کرتے ہیں، مثال کے طور پر علامہ جصاص رازی کی کتاب "احکام القرآن"، قاضی ابن العربی کی "احکام القرآن" اور امام قرطبی کی تفسیر دیکھی جا سکتی ہے، جس میں بال کی کھال ادھیڑ کر شرعی مسائل کے سلسلے میں نہایت درجہ نکتہ آفرینی اور دقت نظری کا ثبوت دیا گیا ہے، اور امام رازیؒ کی تفسیر کبیر اور علامہ ابن تیمیہؒ کے فتاویٰ بھی خاصے کی چیزیں ہیں، مگر جیسے ہی تکوینی احکام و مسائل کی بات آتی ہے جو نظام کائنات سے متعلق ہیں تو علما کی عقلیں کند اور ان کی زبانیں گنگ کیوں ہو جاتی ہیں؟ اور وہ ان احکام و مسائل پر سوچنا تک ایک کار عبث قرار دے کر اسکے بارے میں بلاوجہ بیان بازی کرنے اور بغیر کسی علم و تحقیق کے کیوں فتوے صادر کرنے لگتے ہیں؟ آخر

یہ دوہرا معیار کب تک چلے گا؟ اس مسئلے کو اب ارباب ملت اور زیادہ ٹال نہیں سکتے، لہذا اس طلسم کو ٹوٹنا ہی چاہیے۔

اس سلسلے میں ایک اور عبرت کی بات یہ ہے کہ جو لوگ یہ کہتے نہیں تھکتے کہ جدید علوم و مسائل تغیر پذیر ہیں جن کی بنیاد پر کتاب الہی کی تفسیر کرنے سے آگے چل کر قرآن متہم ہو جائے گا، وہ اس کی کوئی ایک بھی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں کہ قرآن اس سلسلے میں کب اور کس طرح متہم ہوا ہے؟ لہذا یہ ایک بے بنیاد مفروضہ ہے، جو خلاف واقعہ ہے جب کہ دوسری ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں، جن کو خود مفسرین نے بعض قرآنی آیات کی "تاویلات و توجیہات" کے طور پر بیان کیا تھا، مگر وہ آج تحقیقات جدیدہ کی روشنی میں غلط ثابت ہو چکی ہیں اور ان کا صحیح اور بہترین مفہوم عصر جدید میں منصوص طور پر اور بغیر کسی "تاویل" کے ثابت ہو رہا ہے، مگر کسی نے آج تک یہ نہیں کہا کہ اس نئے مفہوم و مدلول کے باعث قرآن "متہم" ہو گیا ہے۔

اصل بات یہ کہ جنھوں نے قرآن حکیم کے ابدی نصوص میں غور ہی نہیں کیا اور محض سطحی طور پر اس کو ایک سرسری نظر سے دیکھتے رہے، وہی اس قسم کی ہوائیاں چھوڑنے لگ جاتے ہیں، حالانکہ قرآن حکیم پر کوئی بات "چپکانے" سے پہلے قرآن اور اس کے متعلقہ علوم و مسائل کا گہرائی کے ساتھ جائزہ لینا ضروری ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ وہ جدید علمی حقائق و معارف جو قرآن حکیم کے منصوص بیانات سے ہم آہنگ ہو جائیں وہ کبھی نہیں بدل سکتے، چاہے دنیا ادھر سے اُدھر کیوں نہ کیوں ہو جائے، کیوں کہ ان حقائق کے بدلنے کا مطلب یہ ہے کہ کلام الہی بدل گیا اور یہ بات محال ہے، لہذا کوئی شخص اس کے منصوص بیانات کو توڑ مروڑ کر یا کسی قسم کی "عقلی تاویل" کر کے خدا کی باتوں کو بدلنا چاہے تو وہ اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا، کیوں کہ کتاب الہی ایک "باطل پروف" صحیفہ ہے اور ایسے شخص کے جھوٹ کا پول بہت جلد کھل جائے گا۔ اسی لئے فرمان ربانی ہے:

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ (حم سجدہ: ۴۱-۴۲)

یقیناً یہ (ہمیشہ) غالب رہنے والی کتاب ہے، جس میں کوئی غلط بات نہ آگے سے داخل ہو سکتی ہے اور نہ پیچھے سے۔ کیوں کہ یہ ایک حکمت والی اور قابل تعریف ہستی کی جانب سے نازل شدہ ہے۔

لہذا ہمیں بے خوف ہو کر جدید علوم و مسائل کے "منصوص" یعنی ثابت شدہ علمی حقائق اور قرآنی نصوص میں تطبیق دے کر علمی دنیا کی قیادت کرنا اور موجودہ علمی بحران کا خاتمہ کرنا ضروری ہے اور یہ کام بغیر کسی تاویل کے ہونا چاہئے (۱) اگر بالفرض کسی نے کسی آیت کی غلط تاویل کر بھی دی تو اس کی غلطی اور اس کی کوتاہ فہمی کا حال بہت جلد کھل جائے گا کیوں کہ کلام الہی ایک باطل پروف کتاب ہے۔ اس طرح قرآن عظیم پر کسی قسم کا اتہام عائد نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کے برعکس غلط تاویل کرنے والے کی غلطی ثابت ہو جائے گی۔

قرآن ایک فیصلہ کن کتاب

لہذا ایک مومن و مسلم کو احکام الہی کی اتباع سے چارہ نہیں ہے اور جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا منصوص طور پر جو بھی بات ثابت ہو وہ حکم الہی ہے، جس کی تعمیل کرنا شرعاً واجب ہے اور اس میں چناں و چنیں کی کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ کیوں کہ رب العالمین کے کلام سے زیادہ بہتر اور معتبر دوسرا کلام نہیں ہو سکتا۔

وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (مائدہ: ۵۰)

یقین رکھنے والوں کے لئے اللہ سے زیادہ بہتر فیصلہ کرنے والا اور کون ہے؟

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِيْنَ (انعام: ۵۷)

حکم کرنا صرف اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے، وہ حق بات بیان کرتا ہے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

اسی بنا پر قرآن حکیم کو تمام اختلافی مسائل میں فیصلہ کرنے والی کتاب بنا کر بھیجا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے:

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ (بقرہ: ۲۱۳)

(ابتدا میں) تمام لوگ ایک ہی دین پر تھے (مگر جب انہوں نے باہم اختلاف کیا) تو اللہ نے نبیوں کو (لوگوں کے لئے) بشارت سنانے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب حقانیت بھیج دی تاکہ وہ لوگوں کے اختلاف کے درمیان فیصلہ کر سکے۔

اس آیت کریمہ کی تصریح کے مطابق باری تعالیٰ کی یہ ازلی سنت رہی ہے کہ وہ ہر دور میں

(۱) اس موضوع پر تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ ہو راقم کی نئی کتاب "قرآن کا نظریہ علم، سائنسی انکشافات کی روشنی میں"۔

اپنے انبیا کو ایسی کتاب سے نوازتا رہا ہے جو لوگوں کے اختلافی مسائل میں فیصلہ کر سکتی ہو۔ اس لحاظ سے آج قرآن حکیم ہمارے لئے اختلاف بین الناس کے درمیان محاکمہ کرنے والی اور فیصلہ کن کتاب ہے، اسی بنا پر امت کو اپنے تمام باہمی اختلافات میں کتاب الٰہی کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا (نساء:۵۹)

اے ایمان والو اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی بھی جو تم میں صاحب معاملہ ہیں پس اگر تم کسی مسئلے میں جھگڑ بیٹھو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بات بہتر اور انجام کے لحاظ سے ایک بہترین طریقہ ہے۔

اس لحاظ سے ایک مسلمان کے لئے کتاب وسنت کا فیصلہ ہی آخری فیصلہ ہے، اس کے برعکس کسی دوسرے کی بات ہمارے لئے سند نہیں رکھتی، خواہ وہ کتنا ہی بڑا عالم وفاضل کیوں نہ ہو۔ کیوں کہ اختلافی مسائل میں ہمکو کتاب وسنت ہی کیطرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس معاملے میں اہل علم کی اتباع ثانوی ہے، یعنی وہ جب تک کتاب وسنت کی پیروی کرتے رہیں گے، ان کا حکم بھی قابل عمل ہے، مگر جب وہ کتاب وسنت کے احکام اور ان کے تقاضوں سے ہٹ کر کوئی بات کر رہے ہوں تو پھر ان کا ماننا ضروری نہیں ہے۔

ارباب ملت کا شرعی فریضہ

اس موقع پر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ شرعی احکام اور تکوینی احکام میں کچھ فرق ضرور ہے۔ یعنی شرعی احکام کے برعکس تکوینی احکام (عالم مظاہر کے سلسلے میں) پر عمل درآمد ہر مسلمان کے لئے ضروری نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ان دونوں کے اسلوب اور ان کے مقتضا میں کافی فرق ہے، مگر مسلمانوں کا وہ طبقہ جو ''اولوالالباب'' کہلاتا ہے اس کی نظروں سے یہ حقائق پوشیدہ رہ جانا امت کے لئے سخت نقصان دہ اور زیاں کاری کا باعث ہے، کیوں کہ جس طبقے کے ہاتھ میں قوم وملت کی زمام کار ہے اسے بیدار مغزی کے ساتھ ملت کے تمام اجتماعی مسائل پر نظر رکھتے ہوئے امت کی قیادت کرنا چاہئے۔ اس سلسلے میں ارباب ملت کا کوئی بھی غلط قدم امت کے کاز کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان احکام ومسائل سے کسی فرد کی انفرادی طور پر لاعلمی قابل معافی ہو سکتی ہے، مگر اجتماعی اعتبار سے ان سے عدم واقفیت ایک ناقابل معافی شرعی جرم ہے، کیوں کہ وہ امت

اسلامیہ کی تباہی کا باعث ہے، بہر حال آج کتاب الٰہی سے اہل اسلام کی ناواقفیت بلکہ ان کی بے پروائی کا جو افسوس ناک رویہ ہے اس پر حسب ذیل آیت کریمہ پوری طرح صادق آرہی ہے جو اصلاً یہود کے بارے میں کہی گئی تھی:

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (جمعہ:۵)

ان لوگوں کی مثال جن پر تورات لادی گئی مگر وہ (صحیح طور پر) اس کے حامل نہیں بنے، گدھے کی سی ہے، جو کتابوں کا (صرف بوجھ ہی) اٹھاتا ہے، تو ایسے لوگوں کی بہت بری مثال ہے جنہوں نے اللہ کی نشانیوں کو جھٹلایا اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

یہ آیت کریمہ مجموعی اعتبار سے آج پوری امت اسلامیہ کی ذہنی پسماندگی اور اس کے افلاس کی منہ بولتی تصویر دکھائی دے رہی ہے، نیز اس سلسلے میں ایک اور عبرت انگیز حقیقت یہ ہے کہ اس موقع پر ''آیات الٰہی''، یعنی اللہ کی نشانیوں کی تکذیب کی جو بات کہی گئی ہے وہ بھی آج مسلمانوں کے منفی رویہ کی نمائندگی کر رہی ہے۔ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ آج اللہ کی یہ نشانیاں یا دلائل ربوبیت جدید سائنسی انکشافات کی روشنی میں کھل کر سامنے آگئے ہیں، مگر موجودہ مسلمان سائنسی علوم کی روشنی میں ان دلائل کا جائزہ لے کر بنی آدم کی صحیح رہنمائی یا ان پر اتمام حجت کرنے کے بجائے ان علوم کو ناقابل اعتبار قرار دے کر گویا کہ خود ہی آیات الٰہی کی تکذیب کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت حال انتہائی سنگین اور باعث حیرت ہے، سوال یہ ہے کہ جب خود اہل قرآن اپنی ہی کتاب اور اسکی اس معجزانہ رہنمائی سے ناواقفیت بلکہ اندھیرے میں ہوں تو پھر بھلا وہ دوسروں کی ہدایت ورہنمائی کا سامان کہاں سے فراہم کر سکتے ہیں؟

واقعہ یہ ہے کہ آج ہند وپاک ہی نہیں بلکہ اکثر مصری علما اور ان کی متابعت میں تقریباً سارا عالم اسلام اسی غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ سائنسی علوم ناقابل اعتبار ہیں اور وہ یہ بات کسی شرعی یا علمی دلیل کی بنیاد پر نہیں بلکہ محض ایک ''عقلی شبہ'' کی بنا پر کہتے ہیں، جب کہ یہ بات نہ صرف قرآنی ''نصوص'' کے خلاف ہے بلکہ خود سائنسی نقطۂ نظر سے بھی بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔

بے دلیل وسند دعوے

حاصل یہ کہ خود خلاق عالم کا فرمان ہے کہ مظاہر عالم میں عقل مندوں

اور دانشوروں کے لئے دلائل رُبوبیت موجود ہیں، جو غور وفکر اور تفقہ وتذکر کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں، نیز یہ کہ یہ دلائل رُبوبیت انسان کے اندر ایمان ویقین کے جذبات پیدا کرتے ہیں اور اسے اللہ کی طرف رُجوع کرنے اور اسے شکر گزار بندہ بنانے میں بھی مدد دیتے ہیں، جو مطالعہ کائنات کا حاصل اور مقصود ہے، مگر موجودہ دور کے مسلمان کہتے ہیں کہ عقل وفکر اور مشاہدہ وتجربہ سے کوئی صحیح علم حاصل نہیں ہوتا بلکہ جو کچھ بھی حاصل ہوتا ہے وہ "افکار پریشاں" کی طرح ہے، جس پر یقین کرنا مشکل اور اس سے استدلال کرنا غیر درست ہے، اب سوال یہ ہے کہ اس مسئلے میں کس کی بات صحیح اور معتبر ہے؟ تو صاف ظاہر ہے کہ رب العالمین ہی کی بات درست اور قابل اعتبار ہے اور اس کے مقابلے میں زید وبکر کے قول کو دیوار پر دے مارنا چاہئے۔ واقعہ یہ ہے کہ پورے قرآن میں کوئی ایک آیت بھی ایسی دکھائی نہیں جاسکتی جس کے مطابق اللہ تعالی نے تکوینی علوم کو غیر معتبر اور ناقابل استدلال قرار دیا ہو۔ لہذا یہ نظریہ محض ایک مفروضہ ہے، جس کی کوئی علمی یا شرعی حیثیت نہیں ہے اور وہ قرآن عظیم کے لازوال کلیات اور اس کے ابدی نصوص سے میل نہیں کھاتا، بلکہ ان دونوں میں بعد المشرقین ہے۔ لہذا جو لوگ اس قسم کی بات کرتے ہیں انہوں نے نہ تو قرآن کو سمجھا ہے اور نہ سائنسی یا تجرباتی علوم کی حقیقت واہمیت ہی سے واقف ہیں، بلکہ بعض لوگ ان علوم کی تعلیم وتدریس سے بچنے کے لئے اس قسم کے شوشے نکالتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ سائنسی حقائق کبھی نہیں بدلتے جو تجرباتی اور مشاہداتی طور پر اخذ کئے گئے ہوں، اس کی تفصیل ہم نے دوسرے مواقع پر کی ہے، لہذا بغیر علم صحیح کے دینی مسائل میں محض ظن وتخمین کی بنیاد پر کلام کرنا اور قرآن کے نصوص کو محض فتوے بازانہ انداز میں رد کرنا گویا کہ کلام الٰہی کو جھٹلانا ہے، العیاذ باللہ۔ مجموعی اعتبار سے اہل اسلام کے موجودہ رویہ کو دیکھتے ہوئے اس کے علاوہ اور کوئی بھی تبصرہ نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن عظیم اول تا آخر دلائل وبراہین کی کتاب ہے اور وہ ہر مسئلے میں دلیل وبرہان کی زبان میں بات کرتا ہے اور منکرین ومعاندین سے بھی اپنے نظریات کا ثبوت کے طور پر دلیل پیش کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں باریٔ تعالی نے کفار ومشرکین پر جو الزام عائد کیا تھا وہ آج مسلمانوں پر صادق آرہا ہے:

قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا

تَخْرُصُوْنَ ○ (انعام: ۱۴۸)

کہہ دو کہ کیا تمہارے پاس (اس سلسلے میں) کوئی علم (دلیل) موجود ہے جسے تم ہمارے سامنے پیش کرسکو؟ تم تو صرف گمان کی پیروی کرتے اور اٹکل ٹوئیاں مارتے ہو۔

قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ (نمل: ۶۴)

کہہ دو کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو۔

باریٔ تعالی چونکہ اس کائنات کا خالق، رب، کارساز اور اپنی تخلیقات کے تمام اسرار وحقائق سے باخبر اور علام الغیوب ہے لہذا اس کی دی ہوئی کسی بھی خبر میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہوسکتی۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے:

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا (نساء: ۸۷)

اور اللہ سے بڑھ کر کس کی بات سچی ہوسکتی ہے

وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ○ (انعام: ۸۰)

میرا رب علم کے اعتبار سے ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے، تو کیا تم کو (اس حقیقت پر) تنبہ نہیں ہوتا؟

فَمَالِ هٰٓؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا (نساء: ۷۸)

ان لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ یہ کوئی بھی بات سمجھنے سے قاصر ہیں؟

فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ (اعراف: ۱۸۵)

تو وہ اس کے بعد آخر کس بات پر ایمان لائیں گے؟

حاصل بحث

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آج مسلمان بغیر کسی دلیل شرعی کے محض ظن وتخمین کی بنا پر تکوینی (سائنسی) علوم ومسائل سے کنارہ کشی اختیار کرکے دینی ودنیوی دونوں اعتبار سے زوال پذیر ہوکر خلافت ارض کے میدان میں پیچھے ہوچکے ہیں اور اس سلسلے میں وہ قرآن حکیم کے منصوص احکام ومسائل کو بھی خاطر میں نہیں لارہے ہیں، بلکہ باریٔ تعالی کے حکم اور اس کے ازلی فیصلے کو بھی بے اعتباری یا شک وشبہ کی نظروں سے دیکھتے ہوئے اس کی عدول حکمی پر مسلسل قائم ہیں، گویا کہ معاذ اللہ باریٔ تعالی سے اس سلسلے میں کوئی بھول ہوگئی ہو، اس سے زیادہ بدقسمتی کی بات اور کیا ہوسکتی ہے لہذا اس منفی رویہ کو فوری طور پر ترک کرکے مثبت رویہ اپنانے کی ضرورت ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْۗءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ (رعد: ۱۱)

اللہ یقیناً کسی قوم کی حالت کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلے، اور اللہ جب کسی قوم کے لئے برائی کا ارادہ کرلیتا ہے تو اسے کوئی رد نہیں کرسکتا، اور اس کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں ہوسکتا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (محمد: ۷)

اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو جما دے گا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (انفال: ۲۹)

اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہیں فیصلے کی چیز عطا کرے گا، تمہارے گناہوں کو دور کر دے گا اور تمہیں بخش دے گا، کیوں کہ اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ (انفال: ۲۱)

اور تم ان لوگوں کی طرح مت بن جاؤ جنہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا، حالانکہ وہ سن نہیں رہے تھے۔

اربابِ ملت سے ایک گزارش

آخر میں اربابِ ملت سے اس بندۂ عاجز کی مخلصانہ اور دردمندانہ گزارش ہے کہ ان تکوینی یا سائنسی علوم کی اہمیت کو اب مزید نظر انداز نہ کریں، جو ایک حیثیت سے علمی و استدلالی میدان میں مفید ہیں تو دوسری طرف مادی قوت و شوکت کے حصول کی راہ میں بھی انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔ چنانچہ علمی و استدلالی میدان میں ان علوم میں رُسوخ کے باعث باری تعالیٰ کی صفات ذاتیہ اور صفات فعلیہ کا مشاہدہ ہوتا ہے، جو اس کی وحدانیت، صنعت و کاری گری اور اس کی قدرت و خلاقیت پر دلالت کرتے ہیں اور یہی وہ دلائلِ رُبوبیت ہیں جو الحاد و مادیت کا رد و ابطال کرتے ہوئے آج خدا پرستی کا راستہ صاف کرتے ہیں۔ اگر ان دلائل و براہین کو دعوتی انداز میں مرتب کر کے عالم انسانی کے سامنے پیش کیا جائے تو اس سے فکری و نظریاتی طور کایا پلٹ سکتی ہے، اب جہاں تک ان علوم کے مادی پہلو کا تعلق ہے تو مظاہرِ فطرت کے نظاموں میں بعض پوشیدہ ''قوتیں'' بھی موجود ہیں جن پر قابو پا کر تمدنی و عسکری میدان میں آج زبردست کارنامے انجام دئے جا رہے ہیں، جیسے برق، بھاپ اور جوہری توانائی وغیرہ۔ قرآن مجید کی اصطلاح میں انہیں ''باطنی نعمتیں'' کہا گیا ہے۔ (لقمان: ۲۰)۔

اس لحاظ سے تکوینی علوم کی اہمیت کو کسی بھی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، جو خلافتِ ارض کی چابیاں ہیں۔ اسی اہمیت کے پیش نظر انسانِ اول حضرت آدم علیہ السلام کو پہلے ہی دن اس علم سے واقف کرا دیا گیا تھا، جسے قرآن کی زبان میں علم الاسماء کہا جا سکتا ہے۔ یعنی موجوداتِ عالم کا علم۔ چنانچہ اس

علم کا خلافت ارض سے بہت گہرا تعلق ہے۔ جو قوم اس علم سے ناطہ جوڑے گی وہ زمین پر خلیفہ بنی رہے گی اور جو قوم اس سے ناطہ توڑے وہ حاشیے پر چلی جائے گی۔ جیسا کہ عصر جدید میں یہ صورت حال پوری نمایاں ہو گئی ہے اور اس صورت حال کا سب سے زیادہ عبرتناک پہلو یہ ہے کہ آج مسلمان اس علم سے دور ہو کر مادی قوت و شوکت کے اعتبار ہی سے مفلس و قلاش نہیں ہوئے بلکہ وہ علم و استدلال اور دلیل و برہان کے میدان میں بھی پوری طرح کنگال نظر آ رہے ہیں، حالانکہ آج سارے عالم میں سائنسی علوم کا دبدبہ قائم ہو گیا ہے اور اس بنا پر اب روایتی دلائل سے کام نہیں چل سکتا، بلکہ جدید ذہن و مزاج کے لوگوں کو قائل کرانے کے لئے سائنسی دلائل کو اپنانا لازمی ہے اور جو دین آج اس نئے دلائل و براہین سے اعراض کرے گا وہ ازکاررفتہ قرار دیا جائے گا۔ حالانکہ ہر دور میں دین الٰہی کی تجدید ضروری ہے تاکہ نئے نئے علوم و مسائل کے نتیجے میں جو نئے نئے ذہنی و فکری سوالات پیدا ہوتے ہیں ان کا جواب خود ان علوم میں مہارت حاصل کر کے دیا جائے اور یہی قرآن عظیم کا مطالبہ ہے، چنانچہ وہ اس میدان میں بھی آج اہل اسلام کی بخوبی رہنمائی کر سکتا ہے۔

اس اعتبار سے اہل اسلام کے لئے ان علوم و مسائل سے مزید چھوٹ چھات شرعی یا عقلی کسی بھی نقطۂ نظر سے جائز نہیں، اور خاص کر صائب اور اہل نظر علما کی ایک جماعت ہمیشہ اس کام میں لگی رہنی چاہئے مگر ہر عالم کو کم از کم ''علم الاسما'' کے مبادیات سے واقف ہونا لازمی قرار دیا جانا چاہئے تاکہ اس کے ذہن میں ان علوم و مسائل کا ایک خاکہ آ جائے اور وہ کسی بھی ''علمی حقیقت'' کو بلا وجہ جھٹلا نہ سکے، ورنہ اس سے دین کا وقار مجروح ہو سکتا ہے، لہٰذا اس مقصد کے حصول کے لئے اب تمام عربی مدارس میں سائنسی علوم کی تدریس لازمی کر دینی چاہئے اور ان کی تعلیم اسلامی نقطۂ نظر سے قرآن حکیم کے اغراض و مقاصد کے تحت ہونا ضروری ہے اور اس مقصد کے لئے علما اور ماہرین سائنس کی ایک کمیٹی بٹھا کر ایک نیا نصاب تعلیم مرتب کرنا ہے اور اس سلسلے میں نئی کتابیں تصنیف کی جائیں، سائنسی علوم کی ترویج و اشاعت سے مسلم معاشرے میں ایک نئے فکری دور کا آغاز ہو گا جو مسلم دنیا کی کایا پلٹنے کے ساتھ ساتھ عالم انسانی کی بھی بخوبی رہنمائی کرنے کا باعث بنے گا، اس طرح ہم دین و دنیا دونوں میں کامیاب اور سرخ رو ہو سکتے ہیں۔

آخر میں عرض ہے کہ سائنسی علوم کے بارے میں دینی حلقوں میں جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں ان میں سے ایک اہم غلط فہمی یہ ہے کہ وہ انہیں ''مادیت'' کے مترادف سمجھتے ہیں حالانکہ مادیت کسی نظریہ کا نام ہے وہ ''قوانین ربوبیت'' کی مادہ پرستانہ نقطۂ نظر سے تشریح و توجیہ ہے، جب کہ اصل قوانین

میں (جن کو لاز آف نیچر کہا جاتا ہے) مادیت کا کوئی دخل نہیں ہے، بہر حال سائنس کی تعریف مادہ پرستانہ نقطۂ نظر سے جو بھی کی گئی ہو وہ اسلامی نقطۂ نظر سے اصلاً و حقیقتاً "مطالعۂ ربوبیت" کا نام ہے۔ جو قدیم علمائے اسلام کی نظر میں "علم تکوین" کہلاتا ہے، اور تکوین (مظاہر فطرت کی ایجاد یا تخلیق) باری تعالیٰ کی ایک صفت ذاتی ہے (دیکھئے شرح فقہ اکبر) لہٰذا مظاہر فطرت کا مطالعہ درحقیقت باری تعالیٰ کی ایک صفت ذاتی کا مطالعہ ہے اور اس مطالعہ و مشاہدہ سے اس کی دیگر صفات بھی منکشف ہوتی ہیں، چنانچہ آج جدید سائنسی علوم کے ذریعہ ربوبیت کے یہ مختلف پہلو (باری تعالیٰ کی صفات ذاتی و صفات فعلی) کی حقیقت کھل کر سامنے آگئی ہے، اور ان کے مطالعہ سے "تقدیر الٰہی" بھی اجاگر ہو رہی ہے کہ ایک "وقت معین" میں یہ تمام مادی مظاہر عدم سے وجود میں آئے اور ایک وقت مقررہ (اجل مسمی) پر یہ سب فنا پذیر ہو جائیں گے، جو وقوع قیامت کی دلیل ہے۔ اس طرح آج عالم مظاہر کے مطالعہ و مشاہدہ سے نہ صرف باری تعالیٰ کے وجود اور اس کی تقدیر ازلی کا ثبوت ملتا ہے بلکہ رسالت اور قیامت کے برحق ہونے کا بھی سائنٹفک ثبوت مہیا ہو سکتا ہے، جو خود مادہ پرستوں کی تحقیقات کے نتیجے میں سامنے آرہے ہیں، اس لحاظ سے آج مادہ پرست اپنے الحاد و دہریت کے باوجود انجانے پن میں "قوانین ربوبیت" کو واشگاف کرکے دین و مذہب کی زبردست خدمت انجام دے رہے ہیں اور یہ قرآن حکیم کا ایک نیا اور لازوال معجزہ ہے، جو آج ملحدوں اور مادہ پرستوں کو خیرہ کر سکتا ہے، مادہ پرست اگرچہ اپنی مادیت میں مست و مگن ہے مگر وہ ان علوم و معارف میں موجود دلائل ربوبیت سے بالکل غافل اور بے خبر ہیں، لہٰذا امت اسلامیہ کا کام یہ ہے کہ ان علوم و معارف کا حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر سے جائزہ لے کر اس "مستور شدہ" پہلو کو نمایاں کرے تاکہ اس کے نتیجہ میں گمراہ انسانوں کو یا تو ہدایت نصیب ہو یا ان پر اللہ کی حجت پوری ہو جائے اور یہ مسلمانوں کا ایک قومی و ملی فریضہ ہے ورنہ مادیت کا خاتمہ کبھی نہیں ہو سکتا اور اس سلسلہ میں آخری بات یہ ہے کہ آج مسلمان اگر مادی قوت و شوکت کے میدان میں پیچھے ہو گئے ہیں تو کیا ہوا ان کے سامنے دلیل و استدلال اور حجت و برہان کا میدان پوری طرح کھلا ہوا ہے اور اس فریضہ کو ہر قوم اور ہر ملک میں ادا کیا جا سکتا ہے خواہ مسلمان جس حالت میں بھی ہوں لیکن اگر اس کے باوجود وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ جائیں تو پھر اس میں قصور کس کا ہے۔ لہٰذا اب اس سلسلہ میں مزید تاخیر کسی بھی طرح جائز نہیں ہے اور یہ کام تحریری و تقریری ہر اعتبار سے ہونا ضروری ہے اور اس مقصد کے لئے اب اہل اسلام کے لئے ایک نئی قسم کی "فوج" تیار کرنا شرعاً واجب ہے۔ اللّٰھم ھل بلغت فاشھد۔

اسپین سے مسلمانوں کا اخراج اور عثمانی سلطنت

تاریخ اندلس کا ایک ورق

پروفیسر محمد حسان خاں☆

مسلمانوں نے اسپین پر تقریباً آٹھ سو سال تک حکومت کی، ابتدا میں ان کی حکومت نہایت مستحکم تھی، فتوحات کی وسعت، فوجوں کی قوت و کثرت، علم و معرفت کے فروغ اور ملک و قوم کی اصلاح و ترقی سے اس حکومت کی عظمت و شوکت کا پتہ چلتا ہے لیکن پھر "آگ لگ گئی اس گھر کو گھر کے چراغ سے" کے مصداق خانہ جنگی، خونریزی، باہمی ٹکراؤ سے مسلمانوں کی قوت باہم پاش پاش ہوتی رہی، جس کے نتیجہ میں بدامنی پھیلنے لگی، مخالف طاقتوں کو سر ابھارنے کا موقع ملا اور اسلام دشمنوں کی سازش سے دیکھتے دیکھتے ڈیڑھ دو صدی میں اسپین سے مسلمانوں کی حکومت کا کلیتاً خاتمہ ہو گیا، ۱۴۹۲ء میں اسپین کی آخری مسلم سلطنت غرناطہ بھی تہ و بالا ہو گئی، اس طرح آٹھ صدیوں کے اسلامی تمدن کا خاتمہ ہو گیا، اس کے بعد وحشت، درندگی، خونخواری اور ظلم و طغیان کا ایسا طوفان اٹھا کہ مسلمانوں اور ان کی تمام یادگاروں کا خاتمہ ہو گیا، مسلمان یا تو قتل کر دیے گئے یا غلام بنا لئے گئے، یا اسپین سے ہجرت کرکے شمالی افریقہ کے ملکوں تونس، الجزائر، لیبیا، مراکش، ارجنتائنا، استنبول وغیرہ میں پناہ لینے کے لئے مجبور ہو گئے اور جو باقی رہ گئے ان کو بہ جبر عیسائی بنا لیا گیا، ان ہی لوگوں کو اسپینی زبان میں موریسکی [illegible] کہا جاتا ہے۔

موریسکی مسئلہ یہ چونکہ مسلمانوں کا مسئلہ تھا اس لئے اس کی اہمیت کا زیادہ احساس ان ہی کو ہونا چاہئے تھا، لیکن افسوس ہے کہ اسلامی ملکوں میں اس موضوع پر بہت کم کام ہوا ہے، چنانچہ عربی اور عثمانی آرکائیوز اس سے خالی ہیں، اس کے برعکس یورپ کے آرکائیوز اس سے بھرے ہوئے ہیں، صرف اسپین کے وثائق کی تعداد تیس لاکھ سے زیادہ ہے۔

☆شعبۂ عربی، برکت اللہ یونیورسٹی۔ بھوپال

دنیائے اسلام بالخصوص عالم عرب کے مورخین نے عثمانی، عربی اور یورپی شواہد کا مطالعہ دیانت داری سے کر کے اس موضوع پر عثمانی حکومت کے موقف کو واضح کرنے کی کوشش نہیں کی، بلکہ اس کے برعکس ان کو تنقید کا نشانہ بنایا اور ان کے کارنامے مخالفانہ انداز اور غلط ڈھنگ سے پیش کرنے کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔

عالم عرب کے ایشیائی حصے میں عرب عیسائیوں کی کثیر تعداد ہے، انہوں نے عرب قومیت کا نعرہ نہایت زور شور سے بلند کر کے عثمانیوں کے خلاف نفرت کی ایک ایسی ہوا چلائی جس نے ان کے تمام اچھے کارناموں پر پانی پھیر دیا، لیکن مخالفت کے اسی ماحول میں شمالی افریقہ کے ملک تونس کے ایک بڑے اسکالر پروفیسر عبدالجلیل تمیمی نے جو زغوان یونیورسٹی میں شعبہ انسانیات میں پروفیسر ہیں، ۱۹۸۵ء میں عثمانی اور موریسکی مطالعہ کا ایک سینٹر قائم کیا جس سے وہ دو تاریخی مجلے "مجلة الدراسات المغربية" اور "المجلة التاريخية العربية للدراسات العثمانية" نکالتے ہیں، اس سنٹر کے قیام کا مقصد عثمانی اور موریسکی معلومات کا تاریخی اور توثیقی رکارڈ تیار کر کے اس موضوع سے متعلق کتابیاتی رہنمائی کرنا اور عرب، ترک، اسپینی اور بین الاقوامی محققین کے درمیان علمی تعاون کی راہیں پیدا کرنا ہے تاکہ عربوں کو اصل حقائق کا علم ہو سکے اور وہ اپنی صحیح تاریخ مرتب کر سکیں۔

شمالی افریقہ کے ممالک تونس، الجزائر، لیبیا اور مراکش نے یورپ کی عیسائی یلغاروں کا زیادہ بہادری سے مقابلہ کیا ہے اور عثمانیوں نے اپنے امکان بھر ان کی پوری مدد کی جس کی لئے وہ عثمانی سلطنت کے ممنون و مدح سرا رہے۔ مگر عرب اس پہلو سے ان پر نکتہ چینی کرتے ہیں چنانچہ:

ایک عرب مورخ عبداللہ عنان تحریر کرتے ہیں "موریسکیوں کے سلسلے میں عثمانیوں نے نہ کوئی سعی مشکور کی اور نہ کبھی کوئی قابل تعریف موقف اختیار کیا، عثمانی حکمراں بدولیا، یوکرین اور ہنگری وغیرہ میں بے مقصد فتوحات حاصل کرتے رہے، جس کے نتیجہ میں پورا عیسائی یورپ متحد ہو کر مکمل تیاری کے بعد عالم اسلام پر حملہ آور ہوا" (۱)۔

آگے بڑھنے سے پہلے عبداللہ عنان اور دوسرے قوم پرست عربوں کا جواب دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ قسطنطنیہ کی فتح کے بعد عثمانی سلطنت کا پھیلاؤ بڑھ گیا تھا، شروع میں یورپ کے دور دراز علاقوں پر حملے اسلامی حمیت اور دینی رنگ میں رنگے ہوئے تھے، لیکن مرور زمانہ کے ساتھ یہ مسئلہ

اداری تنظیم اور ٹیکس وصولی کا رہ گیا، شام و مصر کو اس لئے فتح کیا کہ سلطنت کے جنوبی حصہ کو صفوی شیعہ سلطنت سے محفوظ کر دیا جائے (۲)۔ آل عثمان نے جزیرۂ عرب کو بھی پرتگالی حملوں سے حفاظت کے لئے فتح کیا تھا اور اس کے لئے مکہ اور مدینہ کے شرفاء نے سلطان سلیم سے مدد بھی طلب کی تھی (۳)۔

سلطان سلیم بڑی منصوبہ بندی کے ساتھ متحدہ عیسائی قوت کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے جو روایتی راستوں ہی کے لئے نہیں بلکہ اسلامی ملکوں کے لئے بھی زبردست خطرہ بن گئے تھے، یورپ پر عثمانیوں کے حملے کا ایک اہم نتیجہ یہ نکلا کہ عرب ممالک پر صلیبی حملے بحر ابیض متوسط کی طرف سے بہت کمزور رہے (۴)

ان فتوحات کا مقصد اگر صرف کشور کشائی زمین پر قبضہ و تسلط اور سلطنت کی وسعت ہوتا تو سلطان سلیم مصر فتح کرنے کے بعد رک نہ جاتے بلکہ مراکش تک تمام ملکوں کو فتح کر لیتے، جہاں اس وقت سیاسی، انتظامی اور معاشی حالات بہت ابتر تھے اور ان پر قبضہ کرنا نہایت آسان تھا، لیکن جب اسپین کے مسلمانوں کی مدد کے لئے ان ممالک کو فتح کرنا بھی ضروری ہو گیا تو ان کو بھی فتح کر لیا، چنانچہ لیبیا، تونس اور الجزائر کو فتح کر کے عثمانی سلطنت میں شامل کر لیا گیا، جس کا ذکر آگے آئے گا۔

یورپین مؤرخین نے اندلس کے مسلمانوں اور ان کے مددگاروں کے لئے ان اصطلاحات کا استعمال بے دریغ کیا ہے جس کا مقصد ان کی کردار کشی، تحقیر و تذلیل اور ان کی شکل و صورت کو مسخ کرنا ہے، اکثر مصنفین نے خیر الدین بربروسہ اور روبیج علی پاشا کو قزاق اور وحشی کے القاب دیئے ہیں جن کا کام مال غنیمت لوٹنا، کشتیوں اور جہازوں پر حملہ کرنا، دشمن کے ساحل کو برباد کرنا اور لوگوں کو غلام بنانا ہوتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ یورپین مؤرخین نے صحیح پس منظر میں اس مسئلہ پر نظر نہیں ڈالی ہے، چونکہ اسلامی سلطنت پر خلافت اسلامیہ کا بار تھا اس لئے اس سے کوئی بھی اسلامی ملک یا مسلمان اگر مدد طلب کرتا تو اس کے لئے اس کی مدد لازمی تھی۔

سولہویں صدی میں موریسکی ڈاکوؤں کی عجیب اصطلاح وضع کی گئی، لیکن ۱۶۰۹ء کے بعد اس لئے معدوم ہو گئی کہ خود موریسکی ہی اس سال جزیرۂ اندلس سے نکال دیئے گئے۔ ان لوگوں کو ڈاکو ثابت کرنے کے لئے تفتیشی عدالتوں اور عیسائی گواہوں کا سہارا لیا گیا اور ان کو قاتل اور مجرم بھی کہا

گیا، مگر ان حضرات نے نہ غرناطہ کے انقلاب کے اسباب و محرکات کو جاننے کی کوشش کی، نہ یہ دیکھا کہ اس وقت اسپین کے مسلمانوں کی ثقافت ختم کی جارہی تھی، ان کا تعلق عربی و اسلامی تہذیب سے کاٹا جارہا تھا، عربی کتب و مخطوطات جلائے جارہے تھے (۵)۔

جب کہ عربوں کا طریقہ اس سے بالکل مختلف تھا، وہ جب بھی کوئی علاقہ فتح کرتے تو اس کو تاخت و تاراج نہ کرتے بلکہ اس کی تہذیب و تمدن کی حفاظت کرتے کیوں کہ تشدد سے تو تشدد ہی بھڑکتا ہے اور محرومی انتقام اور بغاوت کو جنم دیتی ہے، اس طرح کی بغاوتوں کو چوری یا ڈاکہ نہیں کہا جاسکتا، غرناطہ کے انقلاب کے ایک لیڈر محمد بن امیہ نے اسی لئے ۱۵۶۸ء میں کہا تھا کہ ہم چور نہیں ہیں، ہم اپنی مملکت تشکیل دینا چاہتے ہیں (۶)۔

سلطنت عثمانیہ کی اہمیت جب قسطنطنیہ اور مشرقی یورپ کے ممالک فتح ہوئے تو عثمانیوں کی دینی، سیاسی اور فوجی اہمیت بحر ابیض متوسط میں خاص طور پر سلطان بایزید دوم کے عہد میں بہت بڑھ گئی تھی اور وہ اسلام کے نمائندے اور خادم الحرمین تھے، ان سے اسپین کے مظلوم مسلمانوں کو بڑی تقویت ملی، انہی کی مدد سے عیسائی بنانے اور اسپین کو عیسائیت میں ضم کرنے کی کوششوں کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ ہوا، اسی لئے مشہور صاحب قلم سروینٹس (Cervaints) نے لکھا ہے کہ خدا نے عثمانی ترکوں کو عیسائیوں کے گناہ دھونے کے لئے بھیجا ہے (۷)۔

موریسکی عثمانیوں کی ان کامیابیوں کو بڑی اہمیت دیتے تھے کہ مصر اور سیریا اور خاص طور پر الجزائر، ان کے تابع ہوگئے، الجزائر کی اہمیت اس لئے زیادہ تھی کہ وہ اندلس کے مہاجرین کے لئے ایک محفوظ قلعہ کی مانند تھا۔

یورپ اور افریقہ میں سلطان سلیم اور سلطان سلیمان کی فتوحات اور قبضے کی وجہ سے ان کے اور اسپینی بادشاہوں کے درمیان مقابلہ آرائی میں اور زور پیدا ہوا اور دونوں کے درمیان جنگ نے دینی لڑائی کی شکل اختیار کرلی، استنبول کی فتح کے بعد اسپین کے بہت سے مسلمانوں اور یہودی مہاجرین وہاں آباد ہوگئے، جب بایزید دوم سے ملنے اندلس کے مسلمانوں کا ایک وفد ۱۴۸۷ء میں سقوط غرناطہ سے ۵ سال پہلے آیا تھا، تو اس نے سلطان کے سامنے اپنا مسئلہ بڑے جذباتی انداز سے پیش کیا اور ان تکلیفوں اور پریشانیوں کا ذکر جنہیں وہ عرصہ دراز سے جھیل رہے تھے کیا اور بتایا کہ اسپین میں اسلام کا

سقوط عن قریب ہونے والا ہے (۸)۔
اسپین کے مسلمانوں کا ایک وفد ۱۴۷۷ء میں سلطان محمد الفاتح کے سامنے بھی پیش ہوا تھا،
اس نے اندلس کے مسلمانوں کے حالات بتا کر سب کو رلا اور تڑپا دیا اور عثمانی سلطنت سے مداخلت کا
مطالبہ کیا تھا (۹)۔

سلطان بایزید تقوی اور دینداری کے لئے مشہور تھا اور اسلامی اخوت کے رشتے سے ان لوگوں کا تعاون ضروری اور اپنا دینی حق سمجھتا تھا۔ اندلس کے مظلومین نے مراکش کے بادشاہوں کو بھی بار بار مدد کے لئے پکارا، لیکن وہاں کے حکمراں بنو وطاس اسپین کے دباؤ میں تھے جس کی وجہ سے ۱۵۳۸ء میں ان کو اسپین سے معاہدہ کرنا پڑا تھا، اس کے بعد اسپین اور پرتگال کا نفوذ شمالی افریقہ کے ساحل پر بہت زیادہ بڑھ گیا تھا۔

غرناطہ کا سقوط اور مسلمانوں کی آزمائش ۱۴۹۲ء میں غرناطہ کی چھوٹی سی آخری اسلامی مملکت عظیم مملکت قشتالہ کے سامنے سرنگوں ہوگئی، یہ بہت بڑی ٹریجڈی تھی، اس کے بعد اسپین کی حکومت نے غرناطہ کے اسقف اعظم کرڈینال خمنیس کے ذریعہ اسلام کے تمام آثار و مظاہر آہستہ آہستہ ختم کرنا شروع کردیا، فتح و کامیابی کا نشہ، عقل و منطق پر غالب آچکا تھا، اسپین کے لوگوں نے طے کرلیا تھا کہ اسپین کو اسلام اور مسلمانوں سے پاک کرنا ہے، مسلمانوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ عیسائیت یا ابدی غلامی قبول کرلیں، اس لئے سقوطِ غرناطہ کے بعد مالداروں کے گھر ان غلاموں سے بھر گئے جو غرناطہ میں قید ہوئے تھے اور حکومت نے ان کی املاک قرق کرلی تھیں۔

غرناطہ کے اسقف اعظم نے عیسائیت قبول نہ ہونے یا جزیرہ اندلس کو خیرباد نہ کہنے والے کو قتل کردینے کا حکم دے دیا تھا، اس طرح اندلس مکمل طور سے نصرانی ہوگیا اور اسلام کا اثر ظاہری طور پر پوری طرح زائل ہوگیا مگر عیسائیت قبول کرنے کے بعد بھی ان پر ظلم و ستم جاری رہا، مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ عربی و اسلامی لباس نہیں پہن سکتے، نصرانی لباس زیب تن کریں، نصرانی عبادت میں شریک ہوں، اپنے مخصوص عادات و اطوار ترک کردیں، شادی بیاہ نصرانی طریقہ پر چرچ میں جاکر کریں، عربی زبان چھوڑ کر قشتالوی زبان بولنے پر مجبور کیا گیا، بجبر عیسائی بنائے گئے، تفتیشی عدالتیں لوگوں کی نگرانی ہر روز کرتی تھیں [illegible] فوراً الزام لگا دیا جاتا تھا کہ فلاں شخص دین نصرانی میں مخلص نہیں ہے، اس

لئے وہ گرفتار کرلیا جاتا یا زندہ جلادیا جاتا، اس کی منقولہ وغیر منقولہ جائداد ضبط کرلی جاتی تھی، نصرانی بنائے گئے مسلمانوں نے ایسی تکلیفیں جھیلیں جس کا تصور نہیں کیا جاسکتا، مگر اس کے باوجود چرچ والے ان کی ایمانی حرارت زائل کرنے اور پوشیدہ طور پر اسلام پر عمل کرنے سے ان کو روکنے میں کامیاب نہیں ہوسکے، وہ مجبوراً چرچ کے اعمال میں شریک ہوجاتے، لیکن جمعہ کے دن چھپ کر غسل کرتے اور نئے کپڑے پہن کر دروازہ بند کرکے نماز ادا کرتے (۱۰)۔

تفتیشی عدالتوں نے یہ فہرست جاری کی تھی کہ مندرجہ ذیل کام کرنے والے دین نصرانی کے باغی سمجھے جائیں گے۔

۱۔ حضور اکرم ﷺ کی تعریف کرنے والے ۲۔ یسوع مسیح کو خدا نہ ماننے والے ۳۔ جمعہ کے دن عام دنوں سے زیادہ صاف کپڑے پہننے والے ۴۔ مشرق کی طرف منہ کرکے عبادت کرنے والے ۵۔ بچوں کا ختنہ کرانے والے ۶۔ ان کا عربی نام رکھنے والے ۷۔ قرآن کی قسمیں کھانے والے ۸۔ رمضان کے مہینے میں روزے رکھنے والے یا اس میں صدقہ کرنے والے ۹۔ خنزیر کا گوشت نہ کھانے والے ۱۰۔ شراب نہ پینے والے۔

عربی زبان بولنے پر پابندی

سقوط غرناطہ کے بعد لمبے عرصہ تک مسلمان عربی زبان بولتے رہے، اسی میں قرآن وحدیث، دعائیں اور ادبی کتابیں تحریر کرتے رہے، آخر کار حکومت کو اندازہ ہوا کہ موریسکیوں کے اتحاد، آپسی تعاون اور معنوی قوت کو باقی رکھنے میں عربی زبان کا بہت اہم حصہ ہے، اس لئے ۱۵۲۶ء میں شارلکان نے یہ قانون صادر کیا کہ موریسکی عربی زبان نہیں بول سکتے، شروع میں اس قانون کے نفاذ میں سختی نہیں برتی گئی، مگر جب ۱۵۵۵ء میں شارلکان کا بیٹا فلپ دوم اسپین کا بادشاہ بنا، جو نہایت درجہ متعصب تھا تو اس نے ۱۵۶۶ء میں عربی نہ بولنے والے قانون کو سختی سے نافذ کرنے کا فیصلہ کیا، اس غیر انسانی قانون کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

"موریسکیوں کو تین سال کا موقع دیا جاتا ہے کہ وہ قشتالہ کی زبان سیکھ لیں، اس کے بعد عربی لکھنے یا بولنے کی مکمل ممانعت ہوگی، جو بھی معاملات و معاہدے عربی میں لکھے جائیں گے وہ کالعدم ہوں گے اور جج اور دوسرے حکام اس کو قابل اعتنا نہ سمجھیں گے۔ لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ عمال حکومت کو عربی کتابیں حوالے کردیں،

ملاحظہ کے بعد غیر ممنوع کتابیں واپس کردی جائیں گی، جن کو صرف تین سال تک استعمال کیا جاسکتا ہے، اب کوئی نیا عربی لباس نہ سلوایا جائے، صرف نصاریٰ کے مشابہ کپڑے پہنے جائیں، موریسکی عورتیں حجاب نہیں پہن سکتیں، ان کو چہرہ کھولنا ہوگا تمام تہوار نصاریٰ کی روایت کے مطابق منائے جائیں، ہر تہوار پر گھر کے دروازے کھلے رکھے جائیں تاکہ حکومت کے ذمہ دار گھروں کے اندر جاکر دیکھ سکیں کہ ممنوعہ رسمیں انجام نہیں پارہی ہیں، قومی گانے گانا منع ہوگا، خضاب لگانا ممنوع ہوگا، حمام بنانے کی اجازت نہ ہوگی، تمام خصوصی اور عوامی حمام ڈھادئے جائیں گے"۔

اس قانون کا اعلان یکم جنوری ۱۵۶۷ء کو ہوا، جس کو تمام میدانوں اور پبلک جگہوں میں آویزاں کرایا گیا، یہ قانون موریسکیوں پر بجلی بن کر گرا، مسلمانوں نے بہت کوشش کی کہ بادشاہ اس قانون کو ختم کردے یا اس کی تنفیذ میں نرمی کا اعلان کردے، تمام سربرآوردہ مسلمان شاہی دیوان کے مدرڈیا سے ملے اور وزیر اعظم کارڈینل اسپنوزا نے بتایا کہ بادشاہ سختی کے ساتھ اس قانون کے نفاذ پر مصر ہے، اس سے لوگوں میں مایوسی پھیل گئی اور البشرات علاقہ میں جو خطرناک اور گھنے جنگلوں سے گھرا ہوا ہے، بغاوت پھوٹ پڑی اور مسلمانوں اور اسپینی فوج کے درمیان بہت خونریزی ہوئی، اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے شاہ کے بھائی ڈون خوان کی قیادت میں ایک زبردست فوج بھیجی گئی اور بہت زیادہ خونریزی کے بعد بغاوت فرو ہوئی (۱۲)۔

موریسکی معلومات کا عثمانی نیٹ ورک

عثمانی سلطنت موریسکیوں کے ساتھ خفیہ خط و کتابت کے ذریعہ ان لوگوں کے مسائل سے خوب واقف تھی، جب بھی عثمانی اسطول بحر ابیض متوسط میں متحرک ہوتا ان کو مدد کی قوی امید ہوجاتی اور وہ خفیہ طور پر متحرک ہوجاتے (۱۳)، اسپین سے باہر نکل جانے والے موریسکی کا پختہ یقین تھا کہ عثمانی مداخلت کی وجہ سے انہیں کامیابی ہوسکی ہے۔ معلومات کا ایک اہم ذریعہ وہ مسلمان تھے جنہوں نے استنبول کو سولھویں صدی کی ابتداء سے ہی اپنا مستقر بنالیا تھا، مجبور اور ستائے ہوئے مسلمانوں اور یہودیوں کی اہم پناہ گاہ یہی شہر بن گیا تھا، روز بروز یہاں ان لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہورہا تھا، یہ لوگ عثمانی حکام کو اندلس کی المناک صورت حال سے آگاہ کراتے تھے۔

ایک اور تقریب سے بھی اس سلسلہ کی معلومات حاصل ہوتی تھیں، یعنی موسم حج میں جب

ساری دنیا کے قافلے حج کے لئے حرمین وارد ہوتے تھے تو اس کی نوعیت مسلمانوں کی عالمی کانفرنس کی ہوتی تھی جہاں سے خبریں پورے عالم اسلام میں پھیلتی تھیں اور ساتھ ہی عثمانی سلطنت کی شہرت اس کے استبول کی عظمت اور اس کی عظیم بری فوج کا تذکرہ ہوتا تھا، اس سلسلہ میں وہران (الجزائر) کے مفتی کا وہ خط پیش کیا جاتا ہے جو انہوں نے ۱۵۰۳ء میں اندلس کے مسلمانوں کو تحریر کیا تھا کہ "میں اللہ تعالی سے دعا کرتا ہوں کہ وہ حالات کو مسلمانوں کے موافق کردے تاکہ وہ بغیر کسی خوف وخطر کے خدا کی عبادت کرسکیں اور یہ مقصد ترک امراء سے مل کر ہی پورا ہوسکتا ہے" (۱۴)۔

عثمانی حکام مذکورہ بالا ذرائع سے اس مسئلہ سے اچھی طرح باخبر ہوچکے تھے، ایک جرمن تاجر نے جو ۱۵۶۰ء کے آس پاس استنبول میں مقیم تھا، تحریر کیا ہے مرکز خلافت میں اس طرح کی افواہیں گشت کررہی تھیں کہ ۸۰ ہزار لوگوں نے فاس (مراکش) میں پناہ لے لی ہے، انہوں نے ظاہراً پروٹسٹنٹ مذہب اختیار کرلیا ہے تاکہ اسپین کی تفتیشی عدالتوں سے بدلہ لے سکیں، ان میں سے بعض نے اعلان کیا ہے کہ وہ عیسائیوں کو اسی طرح نقصان پہنچائیں گے جس طرح انہوں نے اسپین کے مسلمانوں کو پہنچایا ہے۔ (۱۵)

ان تمام سرگرمیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرکز خلافت شمالی افریقہ اور اسپین کے درمیان ان لوگوں کی آمد و رفت بڑھ گئی تھی، مراکش سے متعلق فرانسیسی مخطوطات ومراجع اس کی سند کے لئے کافی ہیں، جن سے بہتر طور سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ آمد و رفت اور تعلقات ہر گوشہ میں زیادہ ہوگئے تھے، اور ان کے اثرات شمالی افریقہ اور اسپین کے واقعات پر بہت زیادہ تھے (۱۶)۔

سلطان سلیم نے کئی جزائری وفود کا استقبال کیا تھا، اس میں ایک اہم وفد جس کی قیادت وہاں کے بڑے عالم ابوالعباس بن احمد بن قاضی نے کی تھی، انہوں نے سلطان کو اسپین میں کیتھولک عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان جاری کشمکش سے واقف کرایا اور بتایا کہ تمام مسجدیں چرچوں میں بدل دی گئی ہیں اور مسلمانوں، یہودیوں اور پروٹسٹنٹ عیسائیوں کی زندگی ضیق میں کردی گئی ہیں، جب کہ استنبول میں چرچ مخصوص فوج کے ذریعہ محفوظ رکھے جاتے تھے، ہر شخص کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی مکمل آزادی تھی، یہ رواداری استنبول آنے والے ہر شخص کے لئے تعجب اور خوشگوار حیرت کا سبب بنی تھی (۱۷)۔

مگر اسپین کی صورت حال کی بنا پر سلطان سلیم نے وفات سے کچھ پہلے یہ حکم دیا تھا کہ تمام چرچوں کو مسجدوں میں تبدیل کردیا جائے، کیتھولک عیسائیوں کو اپنے مذہب پر عمل کرنے سے روک دیا جائے اور جو اسلام قبول نہ کرے اس کی گردن ماردی جائے، لیکن مفتی جمالی نے سلطان کو اس کے نفاذ سے باز رکھا۔

اندلس کے مسلمانوں کا خط سلطان سلیمان قانونی کے نام اندلس کے مسلمان عثمانی سلطنت کو کس نظر سے دیکھتے تھے اور اس سے کیا توقع رکھتے تھے، اس کا اندازہ سلطان سلیمان قانونی کو تحریر کئے گئے مندرجہ ذیل خط سے ہوگا۔ یہ خط شعبان ۹۲۸ھ مطابق ۱۹۔۲۹ نومبر ۱۵۴۱ء کو مغربی اندلسی رسم الخط میں تحریر کیا گیا ہے، جس کا پڑھنا آسان ہے اس کی اصل توپ کاپی میوزیم استنبول میں محفوظ ہے (۱۸)۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام ہو، جن کے شریف قدموں کے روندنے کی جگہوں کا بوسہ لیا جاتا ہے ان کی خاک آشوب چشم کے لئے اکسیر شفا ہے اور وہاں سے گزرنے والے کشادہ دست ہوجاتے ہیں، چنانچہ جب یہ کسی سرزمین سے گزرتے ہیں تو خوب عطا و بخششیں کرتے ہیں اور اللہ کے تقرب کے طالب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالی آپ کی حکومت کو قائم اور اس کے جھنڈوں کو بلند رکھے، آپ کے ذریعے مشرکین وملحدین کی گردنیں جھکی رہیں، آپ کو کامیابی اور فتح مبین حاصل ہو، ہم خدا کے سامنے دست سوال پھیلاتے ہیں کہ وہ آپ کو ہمیشہ خوشی کی سواری پر سوار رکھے، خوش بختی آپ کا احاطہ کرے، آپ قطب اقتدار بنے رہیں، اختلافات کی خوشبو آپ کے وارثوں کو ملتی رہے اور تینوں مسجدوں کی خدمت کی مبارک فضیلت ہمیشہ آپ کو حاصل رہے، ملک مصر، اس کی نہریں، شام اس کے علاقے، حجاز اور اس کے عظیم مرتبے والے مقامات آپ کے پاس رہیں، آپ کی صحبت وقربت کے لئے دور دراز علاقوں سے لوگ شوق سے آنا چاہتے ہیں، حضرت والا کے پاس دین و دنیا کے تمام محاسن جمع ہیں، مولانا سلطان زیادہ بڑے، زیادہ بلند، زیادہ واقف کار، زیادہ علم وحلم والے، زیادہ رحم وکرم والے، زیادہ سخی، زیادہ درگذر کرنے والے، ملحدین کا قلع قمع کرنے والے، سرکشوں اور باغیوں کا سر کاٹنے والے، تخریب کاروں اور مفسدین کو مٹانے والے، حج وزیارت کے راستوں کو صاف اور پختہ کرنے والے، دین و دنیا کا شرف سمیٹنے والے، اللہ کے راستے میں جہاد اور مسجد حرام میں سقایت وعمارت کا انتظام کرنے والے، اس کی زمین کو فساد سے پاک کرنے والے، رأفت ورحمت کی

نشانیوں کا مظہر اپنے ملک میں اسلام اور مسلمانوں کے سلطان، دین و دنیا کی عزت اللہ کی مخلوق پر اللہ کا سایہ۔ سلطان بن سلطان بن سلطان: سلطان سلیمان بن سلطان سلیم بن سلطان بایزید بن سلطان محمد خان (الفاتح) اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کے سایے آپ پر دراز کرے، فضائل میں اضافہ کرے، آپ کی سعادت کے تابناک ستاروں کو مزید تابناک کرے، اور آپ کے مخالفین کو نامراد کرے، آپ کی بزرگی کے شہاب کے ذریعہ سرکشوں اور منافقین سے آپ کی حفاظت کرے، تمام ممالک کے عظیم حاکموں کے آپ امام اور طاقتور بہادر شیر ہیں، جس کے ذریعہ اللہ نے ملک کو مستحکم کیا، آپ کی خدمت کی برکت سے تمام علاقوں کے باشندوں کو محفوظ کردیا، آپ کے ذریعہ فساد کے کپڑے چاک کردیئے، آپ کی تلوار، و نیزے، نیز قلم و زبان نے سرکشوں کے سر قلم کردیئے، اسلام آپ کی حکومت سے سرخ رو ہوا، اللہ کے دین نے عزت پائی، آپ کی سعادت سے بغاوت کی آگ ٹھنڈی ہوگئی، امن و امان کا بول بالا ہوا ہم آپ کی حکیمانہ قیادت اور دانشمندانہ سیاست کے لئے دعا کرتے ہیں، اللہ آپ کو اپنی نصرت سے نوازے اور دشمنوں پر فتح و کامیابی نصیب کرے اور دین و دنیا میں آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرے، جناب والا! جزیرہ اندلس میں بسے ہوئے فقر و مسکنت میں گرفتار ستم روزگار کا شکار مسلمان بندے جن کی تعداد ۲ لاکھ اور ۶۴ ہزار ہے، اور جن میں رؤساء کی تعداد ۵۰ ہے اور باقی عام مسلمان ہیں، روتے ہوئے اور گڑگڑاتے ہوئے آپ سے مدد کے خواستگار ہیں، آپ سے اپنی تکلیفوں کی شکایت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ مولانا سلطان کو دشمنوں کے مقابلہ میں دائمی عزت و نصرت عطا کرے، ہم کس طرح کافروں کا مقابلہ کر رہے ہیں، کس طرح ہم کو تنگ کیا جارہا ہے، دن رات وہ ہم کو آگ سے جلاتے ہیں، دشمن نے ہم کو ہر طرف سے گھیر لیا ہے ہم کو نقصان پہنچانا اس نے اپنا وطیرہ بنالیا ہے، اس کو برداشت کرتے کرتے ایک زمانہ گذر گیا، ہمارے بھائیوں یعنی اہل مراکش نے ہم کو ذلیل کیا، لیکن ہمارے ایک دوسرے پڑوسی جناب کے وزیر باتدبیر، اللہ کے راستے کے مجاہد، دین کے مددگار، کفار پر اللہ کی تلوار نے الجزائر میں ہمارے احوال سنے اور ہماری مصیبتوں کا علم ہوا، جن کا دل سلطان معظم کی اطاعت و محبت سے لبریز ہے، جنہوں نے امن و امان قائم کیا، اور شہر و دیہات ہر جگہ اسلامی شریعت کا نفاذ کیا، جب ہم نے ان سے مدد مانگی تو انہوں نے ہماری مدد کی، اس طرح بہت سے مسلمان سرکش کافروں کے ہاتھ سے بچ سکے اور ان کو مولانا سلطان کی

سرزمین میں پہنچادیا گیا جب ملعون کافروں نے یہ بات جانی کہ ہم نے مالی اور جسمانی مصیبتوں کو قبول کرلیا، ہم اپنے دین کو تمام دینوں سے اچھا سمجھتے ہیں اور ہمارے ضمیر نے درست فیصلہ کیا تو دشمن کو مال و وطن چھوڑ کر ہمارے بھاگنے اور ہجرت نے حیرت میں ڈالدیا اور انہوں نے آپس میں مشورہ کیا، مکر و تدبیریں کیں، جب کہ برا مکر مکر کرنے والے ہی کو تباہ کردیتا ہے، ان کی الٹی تدبیروں اور غلط رایوں نے یہ فیصلہ کیا کہ الجزائر کے خلاف جنگ کریں تاکہ وہ لوگ جو اسلام کی مدد کر رہے ہیں ختم ہوجائیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو اصحاب فیل کی طرح سزا دی، ان کا مکر ختم کردیا، ان پر سخت آندھی اور سمندر کی زبردست طغیانی بھیج دی، وہ ساحل پر یا تو قیدی بنالئے گئے یا مارے گئے اور کم لوگ ڈوبنے سے بچے۔ اب ان کا غصہ اہل اسلام پر بہت زیادہ ہے وہ راہبوں اور بتوں سے مدد مانگ رہے ہیں اور ہم سید الانام صلعم کے واسطے سے اللہ سے مدد مانگ رہے ہیں، وہ دوبارہ الجزائر پر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کرے اور اپنے دین کی مدد کرے، وہ بہترین مدد کرنے والا ہے، اے ہمارے آقا، بحر و بر کے سلطان اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے، الجزائر کے لئے مدد ارسال فرمائیں: اس لئے کہ وہ اہل اسلام کا قلعہ ہے، اہل کفر و سرکشی کے لئے عذاب ہے، وہ آپ کے شریف نام پر موسوم ہے اور آپ کی حکومت میں ہے، اس سے ٹوٹے دلوں کو عزت ملتی ہے، اسمیں پائی جانے والی رعایا ایک ہے اور اس کی اصل رونق اللہ کے راستہ کا مجاہد، آپ کا غلام معزز وزیر خیر الدین ہے، جو مولانا سلطان کے احکام بجالاتا ہے، اس نے وطن کو زندہ کیا، کفار کے قلوب کو دہشت زدہ کیا، باغی اور فاجر لوگوں کے گھروں کو برباد کیا، سلطنت عثمانیہ کا نظام قائم کیا اور مولانا سلطان کے احکام کی تنفیذ کی، یہاں تک کہ تمام شہر اور علاقے مزین ہوگئے، ہم آپ سے التجا کرتے ہیں کہ آپ بھی ایسا ہی خیال فرمائیں تو ان کو الجزائر ہی ارسال کردیں، یہ تمام اہل اسلام پر احسان ہوگا، مسلمان اس پر متفق ہیں کہ ان کی شکایت مولانا سلطان الاسلام تک پہنچائی جائے جو سراسر عزت سے متصف ہیں اور نصرت و تمکنت جن کی حلیف ہے، ان سے درخواست کی جائے کہ مجاہد خیر الدین پاشا کو الجزائر بھیجا جائے، وہ اس وطن کا مددگار اور تمام اہل شرک کی آنکھوں کا خار ہے، ہم سب مسلمانوں کی طرف سے جناب عالی مقام کے لئے سلام اور اللہ کی رحمت کا پیغام ہے''۔

مندرجہ بالا خط میں کسی کا نام تحریر نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اسپینی جاسوس ہر جگہ

پھیلے ہوئے تھے تا کہ اس طرح کے مسائل و معلومات کا پتہ چلا سکیں اس خط سے اندلس کے مسلمانوں کے بارے میں بہت اہم اور تاریخی معلومات حاصل ہوتی ہیں یعنی اسپین والوں کے ہاتھوں مسلمانوں کو پہنچنے والی تکالیف مسلمانوں کو بچانے کے لئے خیر الدین بربروسہ کی سعی و کوشش اور اس کے مسلمانوں پر اثرات وغیرہ۔

اندلس کے مسلمانوں کی تعداد کے بارے میں اعداد و شمار میں بڑا اختلاف تھا، سولہویں صدی میں جس طرح مسلمانوں کا آخری قلعہ غرناطہ بڑا شہر تھا، اسی طرح بلنسیہ، قشتالہ اور اراغون وغیرہ بھی تھے۔ اس خط میں انہوں نے ۳ لاکھ اور ۶۴ ہزار لکھے ہیں، اس طرح دو مرتبہ لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ صحیح تعداد لکھنا چاہتا ہے، اور اس کو موریسکیوں کی تعداد کا علم ہے، اگر اس وقت کی اسپین کی کل آبادی پر نظر ڈالیں تو وہ ۱۵۴۱ء میں ۶۰ لاکھ تھی (۲۰)۔

اس کے بعد اس خط میں اندلس کے مسلمانوں کے حال زار کے بارے میں تحریر ہے کہ کس طرح تفتیشی عدالتیں ان پر ظلم کرتی تھیں اور نئی نئی ظالمانہ قرار دادیں ان پر عائد کی جاتی تھیں، اس میں ان تکلیفوں کا پورا عکس آ گیا ہے اور اس میں ظلم و ستم سے نجات دلانے کا مطالبہ بھی ہے، اسی طرح شمالی افریقہ کے ملکوں سے بھی بار بار مدد کے مطالبے کئے گئے ہیں لیکن اسپین اور پرتگال کے زبردست حملوں نے ان کو سنبھلنے کا موقع ہی نہیں دیا، اس لئے موریسکیوں کی نظر میں وہ کوئی زوردار موقف اختیار نہ کر سکے تاہم اندلس کے ان مہاجرین نے جو افریقہ کے شمالی ساحل کی طرف ہجرت کر گئے تھے، بہت مدد کی۔

اس خط سے ایک اہم چیز یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ موریسکیوں کی بحر ابیض متوسط کے حالات پر گہری نظر تھی، وہ باریکی سے جنگ و صلح کے ہر طرح کے حالات کی واقفیت رکھتے تھے، چنانچہ چارلس پنجم نے گو اپنے شکست خوردہ لشکر کے بقیہ فوجیوں کو اسپین واپس لانے کے بجائے اٹلی بھیج دیا تھا، لیکن اندلس والوں کو ان کی اس زبردست شکست کی اطلاعات مل چکی تھیں جو ان کو الجزائر میں ہوئی تھی، ان لوگوں کا خیال تھا کہ یہ اللہ پاک کی طرف سے ہوا اسی لئے انہوں نے یہ خط فوراً سلطان سلیمان کو تحریر کیا اور ان سے مدد مانگی اور یہ کہ کس طرح خیر الدین نے جب کہ وہ الجزائر کے والی تھے ان لوگوں کی مدد کی تھی جس کی وجہ سے ان کی اہمیت بہت بڑھ گئی تھی اور وہ جہاد و دفاع کی علامت بن گئے تھے۔

خط لکھنے والوں نے تحریر کیا تھا کہ جو مدد الجزائر سے بھیجی گئی تھی وہ مسلمانوں کی شوکت میں اضافہ کا سبب بنی، اس لئے انہوں نے سلطان سے مطالبہ کیا کہ وہ دوبارہ خیر الدین پاشا کا تقرر الجزائر میں کریں تا کہ وہ نئے سرے سے اسپین کی زیادتیوں کا تدارک کریں اور اندلس کے مسلمانوں کو بچائیں۔

سلطان سلیمان قانونی کا فرمان اہل اندلس کے نام

اب اس دستاویز کا عربی سے اردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جو سلطان نے ان کے خط کے جواب میں لکھا تھا (۲۱) "تم نے ہماری جناب میں اپنے احوال تحریر کئے ہیں کہ کس طرح گمراہ کفار نے نعرے بلند کر رکھے ہیں، مسلمانوں کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں، ان کو عربی بولنے سے روکتے ہیں، ان کی بیویوں کو ایسی تکلیفیں دیتے ہیں جو شرع کے خلاف ہیں، مسلمانوں کے ساتھ زیادتی ان کا شیوہ ہے، اس وقت ۲۰ ہزار آدمی موجود ہیں، اس کے علاوہ وہ لوگ جن کے پاس ہتھیار نہیں ہے، اور جن کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچتی ہے، اگر اس مقدار میں اہل الجزائر سے تم تک پہنچ جائے تو تم لوگوں کا ارادہ بلند ہو سکتا ہے، تم نے یہ خبر بھی دی کہ کئی مواقع پر تم نے ملعون کفار کو شکست دی، اللہ کا شکر ہے کہ اہل اسلام گمراہ کفار پر غلبہ پاتے ہیں، جو کچھ احوال تم نے ہم تک پہنچانا چاہا ہے وہ ہم تک پہنچ گئے ہیں، ہم نے سب کچھ جان لیا ہے، ہم ہمیشہ آپ کے معاملے میں دلچسپی لیتے ہیں اور آپ کے اوپر اپنی مہربانیاں جاری رکھنا چاہتے ہیں۔

اس وقت میرے ملک سے قریب، جزیرہ قبرص واقع ہے، ہمارے اجداد کی مہربانیوں سے بہت عرصہ پہلے ان سے امن کا معاہدہ ہوا تھا، لیکن کفار اہل جزیرہ نے یہ معاہدہ توڑ دیا، جب وہاں کے مسلمان حج بیت الحرام اور زیارت رسول ﷺ کے لئے جانا چاہتے ہیں تو یہ لوگ ان کے ساتھ زیادتیاں کرتے ہیں، اس طرح انہوں نے نافرمانی اور زیادتی کے لئے کمر کس لی ہے۔

ہم نے اللہ کی عنایت پر اعتماد کیا اور فخر موجودات ﷺ کا وسیلہ اختیار کیا اور آپ کے اصحابؓ سے مدد طلب کی، آنے والے موسم بہار میں، میں نے اس جزیرہ کو فتح کرنے کا عزم کیا ہے، اگر فتح آسانی سے ہو گئی اور جزیرہ میرے قبضے اور تصرف میں آ گیا اور مسلمان دین کے فرائض و احکام انجام دینے لگے، زائرین و تجار کو امن و سلامتی حاصل ہو گئی، اس وقت سارے لوگ حکومت کے دوام و عظمت اور میری بلندی کی دعا کریں گے، اس کے بعد بڑے بڑے جہاز اور کامیاب فوج اس جزیرہ

(اسپین) کی طرف بغیر کسی تاخیر کے ارسال کی جائیں گی، ہمارے لئے یہ مسئلہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے، ہم پوری طرح مستعد اور تیار ہیں، ہم نے الجزائر کے والی کو یا لتا کیو کو حکم بھیجا ہے کہ وہ آپ کی ہر طرح مدد کرے، یہ اس لئے کہ آپ لوگوں نے دین مبین کے دفاع کے لئے اسلامی ہمت وغیرت کا مظاہرہ کیا ہے، اور اس سے دست بردار نہیں ہوئے ہیں، تم نے کفار سے جنگ وقتال کے باوجود شجاعت کے ساتھ ہر طرح کا قدم اٹھایا، تم کو کامیابی ضرور ملے گی، تمام علما، صلحا اور ہمارے مسلمان تمہارے لئے دعا کرنا نہیں چھوڑیں گے، ہمیشہ اپنے احوال ہم کو لکھتے رہو (۲۲)۔

خیر الدین الجزائر کے والی کے طور پر

۱۵۱۹ء میں الجزائر عثمانی سلطنت کا جز بنا اور اس کا مقصد موریسکیوں کی مدد کرنا تھا، شمالی افریقہ میں اندلس کے مسئلہ کی بہت اہمیت تھی، ہیڈو کے مطابق وہاں کے ۵۰۰ لوگوں نے ۱۵۱۶ء میں اسپینیوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیا تھا (۲۳)۔

اور جب خیر الدین بربروسہ پاشا الجزائر کے والی بنائے گئے تو ان مددگاروں کی تعداد بہت بڑھ گئی، یہ لوگ دشمن کو اچھی طرح جانتے تھے، کیوں کہ ان کی زبان وہی تھی اور وہ خود کو اس مظلوم اقلیت کا نمائندہ سمجھتے تھے، جس کو اسپین کے کیتھولک عیسائیوں کی طرف سے سخت تکلیفوں اور آزمائشوں میں ڈالا گیا تھا۔ اس اقلیت نے خیر الدین کے عہد میں جو کردار ادا کیا تھا ہم لوگ اس سے لاعلم ہیں لیکن اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کردار بہت اہم رہا ہوگا کیونکہ یہ والی اسپین کی صورت حال ہے، جو اچھی طرح واقف تھے اور یہ کام اندلس کے پناہ گزینوں نے کیا تھا، انھوں نے خیر الدین کو اسپین کے حالات سے ہر طرح باخبر کرادیا تھا اور وہ لوگ ہمیشہ ان کے مخلص رہے۔

اس سلسلے میں خیر الدین کی سرگرمی بڑی موثر اور کارگر تھی، وہ اپنی دور بینی اور زبردست جوش وخروش کے لئے مشہور تھے، جنگی اصولوں کے ماہر اور طاقتور شخصیت کے مالک تھے، دشمن ان سے ڈرتے تھے مگر ان کا احترام بھی کرتے تھے (۲۴)۔

خیر الدین اور ان کے قائدین کے اسپین کے ساحل پر کامیاب حملوں نے موریسکیوں کو پر امید کیا کہ وہ عثمانی سلطنت سے مدد مانگیں جیسے بلنسیہ اور غرناطہ اور دیگر جگہوں کے لوگوں نے کیا۔

خیر الدین نے یہ سب معلومات حاصل ہونے کے بعد سلطان سلیمان القانونی کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ شمالی افریقہ کو اسپینی حملوں سے بچانے کے لئے ایک اہم مرکز بنادیں، اس طرح آگے چل

کر اندلس واپس لیا جاسکتا ہے، اور موریسکیوں کو ظلم سے نجات دلائی جاسکتی ہے (۲۵)۔

پھر خیر الدین نے اسپین کے مضبوط قلعہ بینون پر جو الجزائر شہر کے سامنے واقع تھا، ۱۵۲۹ء میں قبضہ کرلیا، اس کے بعد اندلس کے مسلمانوں کی مدد کی اور ان کو ظلم وتعدی سے نجات دلائی۔

کاتب چلپی نے لکھا ہے کہ خیر الدین نے ۱۵۲۹ء میں سات مرتبہ مختلف اوقات میں ۳۶ جہاز اسپین کے ساحل پر بھیجے جنھوں نے ۷۰ ہزار موریسکیوں کو بچایا۔ (۲۶)

خیر الدین نے جو کامیابیاں حاصل کیں اس نے جزائریوں اور موریسکیوں کے دل میں ان کی اہمیت بیٹھادی اس کے بعد سلطان سلیمان نے خیر الدین کو مشورہ کے لئے استنبول بلایا اور یہ طے ہوا کہ بحرابیض متوسط میں عثمانی بحریہ کو طاقتور بنایا جائے تاکہ شمالی افریقہ کا اڈہ مضبوط ہو اور اسپین کی مدد جاری رکھی جاسکے۔

سلطان نے ۶ رمئی ۱۵۳۴ء کو خیر الدین کو علم، جھنڈا اور تلوار ان کارناموں کے عوض جو انھوں نے انجام دیئے تھے بطور اعزاز عطا کیا۔ (۲۷)

اس ملاقات کے بعد نئی پالیسی کا نفاذ ہوا، ۶۱ جہاز استنبول کے گولڈن ہارن میں تعینات کئے گئے، عثمانی سطول نے بحرابیض میں اپنی پوزیشن مضبوط کی اور فرانس کے شاہ فرانسو اول سے دوستی کی، لیبیا میں مہدیہ اور جربہ فتح کیا، مغرب اقصی اور تونس کے بادشاہوں سے تعلقات قائم ہوئے۔

عثمانی سولہویں صدی میں موریسکیوں کے سفراء اور وفود کا برابر استقبال کرتے رہے، جن کا مقصد عثمانیوں سے مدد طلب کرنا تھا، ۱۵۸۹ء اور ۱۵۹۱ء میں قسطنطنیہ میں ۳۰۰ کشتیاں تیار کی گئیں اور یہ افواہ پھیلادی گئی کہ یہ اسپین کے انقلابیوں کے لئے ہیں۔

اس سیاسی اور فوجی حکمت عملی کے ذریعہ شمالی افریقہ نے سولہویں صدی میں اندلس کے مسلمانوں کی بڑی خدمت کی ہے اسی لئے موریسکیوں کے کلی اخراج کے بعد یہ صوبے اسپین کے لئے اتنے خطرناک نہیں رہے۔

غرناطہ کی بغاوت میں عثمانی مدد

موریسکیوں نے طرح طرح کے ظلم وستم کا مقابلہ کرنے کے لئے جب غرناطہ، بلنسیہ اور دیگر علاقوں میں بغاوتیں کیں تو مشرق ومغرب کے مسلمان بادشاہوں سے مدد حاصل کرنے کے لئے خطوط و وفود بھیجے، ان بغاوتوں کا زور ۱۵۶۸ء سے ۱۵۷۰ء تک بہت رہا،

گو اس کے بعد بھی وہ جاری رہیں، لیکن ان میں پہلے جیسا زور نہیں تھا، بغاوت و انقلاب میں الجزائر کے عثمانی والی اولوج علی پاشا بہت پیش پیش تھے اور دراصل انہیں اسی لئے والی بنایا بھی گیا تھا، اس کی وجہ سے اسپینی حکومت کو زبردست چیلنج کا سامنا کرنا پڑا، اس نے انقلاب کو فرو کرنے کے لئے پورے ملک کو آمادہ کیا، موریسکیوں نے اپنا ایک آدمی بارتال کو نار باشہر دو مرتبہ اولوج علی پاشا کو موجود حالات سے باخبر کرنے کے لئے بھیجا (۲۸)۔

اسپین کی حکومت کو عالم اسلام سے موریسکیوں کے تعلقات کا پورا علم تھا، شاہ فلپ دوم نے بڑی کوشش کی کہ اسلامی انقلابیوں کی کامیابی کی خبر عثمانی حکام سے مخفی رہے، شاہ نے اٹلی میں اپنے نائب ڈیوڈالکیڈ (Duedalcade) کو ۲۰ر جنوری ۱۵۶۹ء کو لکھا کہ ہمارے لئے یہ بہتر ہے کہ ہم غرناطہ کے مسئلہ کو راز میں رکھیں اور قسطنطنیہ خبر نہ پہنچنے پائے ورنہ ان کا اسطول فوراً حرکت میں آجائے گا (۲۹)، مورخین وقائع نگار، شعرا اور پادریوں نے بھی دونوں کے تعلقات کا ذکر کیا ہے۔

اسپینی موریسکیوں اور عثمانیوں کے اتحاد سے بھی خائف تھے، اس لئے وہ اپنے ساحلوں کی سخت نگرانی کرتے تھے، بلکہ بادشاہ نے اہل مراکش کے خطرناک حملوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک ملیشیا بنائی تھی۔

شاہ فلپ دوم کے خوف کی وجہ کثرت سے پھیلی ہوئی وہ افواہیں تھیں کہ عثمانی اسطول موریسکیوں کے انقلاب کو کامیاب بنانے کے لئے مداخلت کرنے والا ہے (۳۰)۔

شاہ سلیم دوم اور شاہ مراد سوم کے عہد کے صدر اعظم محمد صوقللی پاشا کو جو اپنے تقویٰ اور دینداری میں مشہور تھے (۳۱) مختلف خطوط کے ذریعہ اندلس کے مسلمانوں کی آزمائش سے پوری واقفیت ہوچکی تھی اور انہوں نے اسپین کے مسلمانوں کو بچانے کے لئے کئی اقدامات بھی کئے تھے، سب سے پہلے الجزائر کے والی اولوج علی پاشا کو سلطان کا فرمان بھیجا کہ وہ موریسکی اقلیت کو مدد بہم پہنچائیں، دوسری اہم بات یہ کی کہ اندلس کے مسلمانوں کو اس کی اطلاع دی کہ اولوج علی پاشا کو آپ لوگوں کی مدد کرنے کا پابند کیا گیا ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صدر اعظم اسپین پر حملہ کی تیاری کر رہے تھے، انہوں نے سلطان کو مشورہ دیا تھا کہ قبرص کے بجائے اسپین پر حملہ کیا جائے (۳۲)۔

یہ دونوں فرمان اور خاص طور پر وہ فرمان جو اندلس کے مسلمانوں کو ارسال کیا گیا ہے، بہت اہم ہے، پہلا فرمان مورخہ ۱۶ اپریل ۱۵۷۰ء کو الجزائر کے والی کے نام جاری ہوا، اس سے اندازہ ہوتا

ہے کہ عثمانی افسران کو وہاں کے حالات کی مکمل واقفیت تھی، اس میں والی سے کہا گیا ہے کہ وہ ان کی ہر طرح مدد کرے، اور یہ کہ عثمانی اسطول عنقریب پہنچنے والا ہے۔

دوسرا فرمان جو اہل اندلس کے نام ہے، اس میں یہ تفصیل بھی ہے کہ انقلابیوں کی تعداد ۲۰ ہزار ہے اور ایک لاکھ لوگ اسلحہ کے انتظار میں ہیں، ان لوگوں کو یہ اطلاع بھی دی گئی کہ جزائر کے والی کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ اسلحہ اور ہر طرح کے ساز و سامان سے آپ لوگوں کی مدد کرے، اور یہ کہ عثمانی حکمراں امید کرتے ہیں کہ اسلام غالب ہوگا، اس لئے کہ آپ لوگوں نے دین مبین کے دفاع کے لئے اسلامی حمیت و غیرت کا مظاہرہ کیا ہے اور ہر طرح کے اقدام اور بہادری کے لئے کمر کس لی ہے، کامیابی انشاء اللہ جلد ہوگی، علماء، صلحاء اور ساری ملت اسلامیہ دعا کر رہی ہے، ہمیں آپ لوگ وہاں کے حالات و واقعات سے باخبر کرتے رہیے، اس فرمان میں یہ بھی تھا کہ عثمانی قبرص کی فتح کے بعد اپنا اسطول اسپین کی طرف روانہ کریں گے (۳۳)۔

عثمانی خلیفہ کے حکم پر اولوج علی پاشا نے ۶ کشتیاں اسلحہ سے لیس اور ۳۲ کشتیاں جس میں فوجی سوار تھے، مریہ میں انقلابیوں کی مدد کے لئے تیار کی تھیں، لیکن آندھی اور طوفان کی شدت سے وہ اس وقت بکھر گئیں، کچھ مدت بعد الجزائر نے ۴۰۰ بندوقیں اور دوسرے ہتھیار روانہ کئے، اس کے علاوہ سیکڑوں انکشاری اسپیشل فورس کے ریٹائرڈ فوجی اور قائدین موریسکیوں کی مدد کو بھیجے گئے، ۱۵۷۰ء میں فوجیوں کی ایک دوسری کھیپ اور مالی مدد بھی بھیجی گئی۔

اس زمانے کے کئی شعراء نے بھی انقلابیوں کے لئے بھیجی جانے والی مدد کا ذکر کیا ہے، فرانس کے سفیر فورکوفو نے کائیرین ڈومادیس کو ۲۶ر جنوری ۱۵۶۹ کو یہ تحریر بھیجی تھی کہ ۴۰۰-۵۰۰ ترک سپاہی امیر غرناطہ کے ساتھ الجزائر سے بھیجے گئے تھے، امیر غرناطہ نے ترکوں کی تعداد بہت زیادہ ظاہر کرنے کے لئے کئی عرب بہادروں کو ترکی لباس پہنا دیا تھا (۳۴)۔

بعض مورخین نے لکھا کہ اولوج علی پاشا جزائری اسطول کی خود قیادت کرنا چاہتے تھے، لیکن جب انہیں یہ علم ہوا کہ ڈون جان ڈیٹر یچ نے زبردست فوج اور مکمل تیاری کر کے البشرات کے انقلاب کو ختم کرنے کی ٹھانی ہے تو پھر انہوں نے اس کی قیادت نہیں سنبھالی (۳۵)۔

انقلابیوں نے جس طرح قربانیاں دیں، پریشانیوں پر صبر کیا اور اس صلیبی حملہ کا ڈٹ کر مقابلہ

کیا جو اسپین کی عیسائی مذہبی قیادت میں کیا جا رہا تھا تا کہ مسلمانوں کے وجود کو اکھاڑ پھینکیں (۳۶)۔

انقلاب کو کچلنے کے بعد متعدد واقعات بڑی سرعت سے پیش آئے، اولوج علی پاشا نے تونس پر قبضہ کر لیا، لیکن پھر عیسائیوں نے ڈون جان ڈیسٹریچ کی قیادت میں تونس پر قبضہ کر لیا۔

اگلے سال عثمانیوں نے پھر اس پر قبضہ کر لیا، ان واقعات کو موریسکی مسئلہ سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔

۱۵۸۰ء میں اشبیلیہ میں ایک موریسکی سازش بے نقاب ہوئی جس کا مقصد موریسکیوں کا مراکش کے ساحل سے مدد حاصل کرنا اور اسپین پر قبضہ کرنا تھا، اس تفصیل سے موریسکی سے عثمانیوں کے گہرے تعلق کا اندازہ ہوا ہوگا۔

آخری اخراج اس سارے ظلم وجور کے بعد بھی جب مسلمانوں کو مکمل طور سے عیسائی نہیں بنایا جا سکا تو بالآخر یہ فیصلہ کیا گیا کہ تمام مسلمانوں کو اسپین سے نکال دیا جائے، یہ اخراج بھی ویسا ہی ہولناک تھا جیسا کہ سقوطِ غرناطہ کا سانحہ تھا۔

اس سلسلہ میں متعدد قوانین و احکام جاری ہوئے تا کہ مسلمانوں کا گلا گھونٹ دیا جائے اور ان کا خاتمہ کر دیا جائے، سفر کی مشقتیں اور صعوبتیں ہی کیا کم تھیں کہ اس پر مزید لالچی ناخداؤں کی سودے بازی جس نے اندلس کے بھاگتے مسلمانوں کو نہایت بے حال کر دیا تھا۔

آخری اخراج کے وقت سلطنت عثمانی کی حالت سترہویں صدی کے دوسرے دہے میں اندلس کے مسلمانوں کے سروں سے جو موجِ خوں گزری، وہ سلاطینِ آل عثمان کے لئے بھی بہت تکلیف دہ تھی، لیکن وہ زیادہ کچھ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے، اس وقت سلطان سلیمان قانونی کی وفات کو ۴۳ سال گزر چکے تھے، ان کے بیٹے سلیم دوم کے وقت سے ہی زوال کی ابتدا ہو چکی تھی، اندلس سے مسلمانوں کے اخراج کے وقت سلطان احمد اول سلطنت عثمانی پر متمکن تھے، اس وقت آسٹریا اور فارس سے بڑی شکست ہو چکی تھی اور زتواترک (Szitvatorok) میں آسٹریا کے بادشاہ اور فارس کے عباس کبیر کے سامنے دب کر صلح کرنا پڑی تھی، سلطنت کے یورپی اور عرب حصوں میں بغاوتیں پھوٹ پڑی تھیں (۳۷)۔

کمزوری کے باوجود عثمانی ایڈمرل خلیل پاشا نے بحر ابیض متوسط میں اپنی سرگرمیاں جاری

رکھیں، لیکن عثمانی بحریہ کی اب پہلی جیسی پوزیشن نہیں تھی، سیاسی طور پر اس وقت تین قوتیں ابھر رہی تھیں، فرانس، انگلینڈ اور وینزیا، باب عالی کے لئے گرد و پیش کے ان حالات پر نظر رکھنا ضروری تھا، اس نے ۳ر فروری ۱۶۰۵ء کو فرانس کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کیا (۳۸) اور انگلینڈ، فرانس اور وینزیا سے باب عالی کے جو پرانے معاہدے تھے ان کی تجدید بھی احمد اول کے عہد میں ہوئی (۳۹) تا کہ تینوں ملکوں سے اچھے تعلقات برقرار رہیں۔

عثمانی سلطان نے شمالی افریقہ کے علاقوں سے تعلقات مزید مستحکم کئے" ایڈمرل خلیل پاشا کو ۲ر ستمبر ۱۶۱۳ء میں اس علاقہ کی طرف ایک مہم کے لئے بھیجا جس کا بظاہر مقصد جیسا کہ مؤرخین نے لکھا ہے، تعلقات بڑھانا اور سفراء کا تبادلہ تھا، لیکن باب عالی کی سیاست پر نظر رکھنے والے اس بات کا انکار نہیں کر سکتے کہ خلیل پاشا کی مہم کا تعلق موریسکی مسئلہ سے بھی تھا اس لئے کہ اس مسئلہ سے تمام مشرقی و مغربی ممالک متفکر تھے اور شاید ایڈمرل خلیل پاشا کا پانچ ماہ بعد لیبیا کا دورہ بھی اسی کی ایک کڑی تھا۔

لیکن اس موقع پر احمد اول کی ان مساعی سے صرف نظر کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں ہے، جو انہوں نے موریسکیوں کی مدد کے لئے کی تھیں، تا کہ یہ پناہ گزیں بہ سہولت عثمانی سرزمین میں نہ پہنچ سکیں، سلطان نے حاج ابراہیم آغا کو جو ان کے خاص خدمت گار تھے، لندن بھیجا کہ شاہ جاک (Jacques) اول سے مل کر موریسکیوں کو بحفاظت عثمانی مملکت پہنچانے میں مدد طلب کریں (۴۰) (حاج ابراہیم آغا کا انتقال ۱۶۱۳ء میں ہوا۔ یہ سفارت ۱۶۰۳ء کے بعد ہوئی ہوگی جب کہ جاک تخت آرائے سلطنت ہوئے) لیکن انگلینڈ کے ساتھ یہ کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں، کیوں کہ برطانیہ نے اسپین کے ساتھ معاہدہ صلح ۱۶۰۳ء کی ابتداء میں ہی کر لیا تھا۔

فرانس کے ساتھ باب عالی کے تعلقات اچھے تھے، اس لئے سلطان احمد نے ماری دی میڈیس (Marie De Medicis) کو جنوبی فرانس میں پناہ گزیں موریسکیوں کی مدد کرنے کے سلسلہ میں ایک خط تحریر کیا تھا جس میں ان سے کشتیاں فراہم کرنے کا مطالبہ بھی تھا، ملکہ نے درخواست قبول کی اور مسلمانوں کو اپنے ساحل سے کشتیوں پر سوار کر دیا اور ان کو اجازت دی کہ وہ جہاں جانا چاہیں چلے جائیں (۴۱)۔

احمد اول نے وینزیا کے دوج (بادشاہ) کو موریسکیوں کی مدد کے لئے جو خط ارسال کیا تھا وہ

وینزیا کے آرکائیوز میں محفوظ اور اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ عثمانی سلطنت نے سیاسی طور پر اپنے حلیف ملکوں سے موریسکیوں کو مدد بہم پہنچانے کے لئے متعدد طرح کی درخواستیں کی تھیں، ایک خط کے ذریعہ دو موریسکی علی اور سلیمان نے اپنے اندلسی بھائیوں کی حالت زار سے حکومت عثمانی کو مطلع کرتے ہوئے اس کا بھی ذکر کیا کہ خوف کی وجہ سے سمندری سفر نہیں کر سکتے اور خشکی کے راستے عثمانی حدود میں پہنچنا چاہتے ہیں، اس لئے وہ باب عالی سے اس کے خواہش مند ہیں کہ وہ وینزیا کے دوج سے کہہ کر اندلس کے مسلمانوں کو عثمانی سرزمین تک بحفاظت گزرنے دے۔

چنانچہ سلطان نے وینزیا کے دوج سے امن و سلامتی کے ساتھ ان کے حدود اندلس میں داخل ہو جانے اور موریسکیوں کی مکمل مدد کرنے کا پرزور مطالبہ کیا، سلطان احمد اول نے اس طرز عمل کو مصالحت و دوستی کی بنیاد مستحکم کرنے والا اور معاہدہ کی مدت بڑھانے کا سبب بتایا ہے۔

یہ بات مشہور ہے کہ سلطان احمد بہت دیندار اور متقی تھا، حرمین سے اس کو بہت محبت تھی، اسپین کی المناک خبریں اس تک پہنچ رہی تھیں اور وہ ان کو بچانے کے لئے نہایت سرگرداں تھا، یہاں کے پناہ گزینوں کے لئے استنبول کے پوشی محلہ گالاٹا میں جگہ مخصوص کرکے انہیں اعزاز سے ٹھہرایا (۴۲)۔

خط کی اصل عبارت اس ترکی خط کے عربی ترجمہ کو راقم نے اردو میں منتقل کیا ہے، اصل خط وسط جمادی الاولیٰ ۱۰۲۳ھ میں تحریر کیا گیا ہے، ترجمہ ملاحظہ ہو:-

"عظیم عیسائی حکمرانوں کے لئے قابل افتخار مسیحی ملت اور نصرانی امت کے مصالح کے نگراں خدا آپ کا انجام بخیر اور آپ کی حالت بہتر کرے، ہم اس تحریر سے آپ کو مطلع کرتے ہیں کہ سلیمان اور علی دونوں اندلس کے باشندے ہیں، انہوں نے درخواست گزاری ہے کہ اندلس کے بہت سے مسلمان آپ کے ملک سے گذر کر زمینی راستے سے ہمارے ملک میں آنا چاہتے ہیں، اگر یہ مسلمان وینزیا کے راستے ہمارے ملک میں داخل ہوں تو ان کو امن و سلامتی کے ساتھ گذرنے کی اجازت دی جائے، آپ چونکہ ہمیشہ ہماری عظیم حکومت کے خیر خواہ، مخلص، ہمدرد اور معاون رہے ہیں اس لئے ہم آپ کو یہ بابرکت ہمایونی تحریر لکھ رہے ہیں تاکہ اندلس کے مسلمان ہمارے ممالک محروسہ میں امن و سلامتی سے پہنچ جائیں"۔

ہم سے آپ کی پرخلوص محبت اور دوستی نیز گہرے تعلقات کا اقتضا یہ ہے کہ ہماری تحریر کے

مطابق اسپین کا جو مسلمان بھی وینزیا میں ہے اور وہ ہمارے ملک میں آنا چاہتا ہے آپ اس دارالامان میں پہنچا دیں اور کوئی شخص ان کے مال و اسباب سے کسی طرح کا تعرض نہ کرے، آپ کی یہ خیرسگالی ہماری رضا مندی کے حصول اور ہم سے مصالحت کی بنیاد کو مستحکم کرنے اور معاہدے کی مدت بڑھانے کا باعث ہوگی۔

حواشی و مراجع

(۱) موقف السلطنة وبالی العالم الاسلامی من سقوط الاندلس وآخر مسلمیها وامام الغزو الاوروبی للعالم الاسلامی عموما مجلة الاصالة عدد ۲۷ ستمبر و اکتوبر الجزائر ۱۹۷۵، ص ۱۴۳۔ (۲) محمد عبد المنعم السید الشقرو العثمانی لمصر [illegible] الوطن العربی ص ۵ ۱۹۶۷ القاہرة ۱۹۶۷۔ (۳) Hilal Inalcik " the rise of the Ottoman Empire" P.318 in The Cambridge history, History of Islam T.I., Cambridge 1970 (۴) حوالہ سابقہ ص ۳۱۷ (۵) محمد عبداللہ عنان، نہایة الاندلس وتاریخ العرب المتنصرین، القاہرہ ۱۹۶۶، ص ۳۵۸۔ (۶) "الدولة العثمانیة وقضیة الموریسکیین الاندلسیین" المجلة التاریخیة المغربیة عدد ۲۳۔۲۴ ص ۱۹۰ (۷) حوالہ سابقہ ص ۱۹۱ (۸) المقری ازہار الریاض فی اخبار عیاض ج ۱ ص ۱۰۹ القاہرة ۱۹۳۹۔ (۹) T.I. (ترک شمالی افریقہ میں) Aziz Samih Ilter Simali Afrikada, Istanbul P.92 (۱۰) الاندلسیات سلسلة قصصیة تقدیم محمد عبداللہ عنان ص ۳۸۔ المجلة التاریخیة المغربیة عدد ۳ ص ۳۸ (۱۱) حوالہ سابقہ ص ۱۵۶۔ (۱۲) حوالہ سابقہ ص ۱۵۷ (۱۳) رسالة من السلطان العثمانی احمد الاول الی دوج البندقیة حول الموریسکیین" المجلة التاریخیة المغربیة عدد ۷۔۸ ص ۱۹ تونس ۱۹۷۷ (۱۴) حوالہ سابقہ ص ۱۹ (۱۵) "الدولة العثمانیة وقضیة الموریسکیین الاندلسیین" المجلة التاریخیة المغربیة عدد ۲۳، ۲۴ تونس ۱۹۸۱ ص ۱۹۳ (۱۶) حوالہ سابقہ ص ۱۹۲ (۱۷) حوالہ سابقہ ص ۱۹۴ (۱۸) اسکا نمبر T.K.A. 3154 ہے، اس کی لمبائی ۵۰۔۳۳ سنٹی میٹر اور چوڑائی ۵۰۔۲۳ سنٹی میٹر ہے۔ "رسالة من مسلمی غرناطة الی السلطان سلیمان القانونی" المجلة التاریخیة المغربیة عدد ۳ ص ۴۴۔۴۸ تونس ۱۹۷۵ (۱۹) "رسالة من مسلمی غرناطة الی السلطان سلیمان القانونی سنة ۱۵۴۱" المجلة التاریخیة المغربیة عدد ۳، تونس ۱۹۷۵ ص ۴۳۔ (۲۰) "الدولة العثمانیة وقضیة الموریسکیین الاندلسیین" المجلة التاریخیة المغربیة عدد ۲۳۔۲۴ تونس ۱۹۸۱ ص ۲۰۴ و ۲۰۵ (۲۱) یہ دستاویز شاہی قلیل کی اوزی قصر [illegible] کو سونپا گیا۔ (۲۲) "الدولة العثمانیة وقضیة الموریسکیین الاندلسیین" المجلة التاریخیة المغربیة عدد ۲۳۔۲۴ تونس ۱۹۸۱ ص ۱۹۵۔ (۲۳) ابو القاسم سعد اللہ تاریخ الجزائر، الجزائر ۱۹۸۱ جلد ۱ ص ۱۳۶، ۱۳۷ (۲۴) تحفة الکبار فی اسفار البحار ص ۱۴۰، استنبول ۱۹۱۱ (۲۵) "الدولة العثمانیة وقضیة الموریسکیین الاندلسیین" المجلة التاریخیة المغربیة عدد ۲۳۔۲۴ ص ۱۹۶ تونس ۱۹۸۱ (۲۶) حوالہ مذکورہ ص ۱۹۶ (۲۷) لیلی الصباغ "ثورة مسلمی غرناطة عام ۹۷۶ھ و اواخر ۱۵۶۸م والدولة العثمانیة" مجلة الاصالة عدد ۲۷ ص ۱۴۳، ۱۹۷۵ (۲۸) "رسالة من السلطان العثمانی الاول الی دوج البندقیة حول الموریسکیین" المجلة التاریخیة المغربیة عدد ۷۔۸ ص ۹ تونس ۱۹۷۵ (۲۹) "الدولة العثمانیة وقضیة الموریسکیین الاندلسیین" المجلة التاریخیة المغربیة عدد ۲۳، ۲۴، ص ۱۹۸ تونس ۱۹۸۱ (۳۰) عبد العزیز محمد الشناوی، "الدولة العثمانیة دولة اسلامیة مفتری علیها" ص ۹۳۵ القاہرة، ۱۹۸۰ (۳۱) حوالہ مذکورہ ص ۹۹۵ (۳۲) "وزیر اعظم آرکائیوز، استنبول مہمہ دفتری نمبر ۷ بتاریخ ۱۰ ذی قعدہ ۹۷۷ھ / ۱۶ اپریل ۱۵۷۰ء "الدولة العثمانیة وقضیة الموریسکیین الاندلسیین" المجلة التاریخیة المغربیة عدد ۲۳۔۲۴ ص ۱۹۹ تونس ۱۹۸۱ (۳۳) حوالہ مذکورہ ص ۲۰۰ (۳۴) حوالہ مذکورہ ص ۲۰۰ (۳۵) حوالہ مذکورہ ص ۱۰۲ (۳۶) عربی دائرة المعارف الاسلامیة ج ۲ ص ۱۸۸ القاہرہ ۱۹۹۶ (۳۷) "رسالة من السلطان العثمانی احمد الاول الی دوج البندقیة سنة ۱۶۱۳ حول الموریسکیین" المجلة التاریخیة المغربیة عدد ۷۔۸ تونس ۱۹۷۷ ص ۸ (۳۸) حوالہ مذکورہ ص ۸ (۳۹) شمس الدین سامی، قاموس الاعلام ج ۱ ص ۵۳۲ استنبول ۱۸۸۸ء (۴۰) "رسالة من السلطان العثمانی احمد الاول سنة ۱۶۱۳ حول الموریسکیین الاندلسیین" المجلة التاریخیة المغربیة عدد ۷۔۸ ص ۸ تونس ۱۹۷۷ (۴۱) محمد بن محمد الاندلسی الحلل السندسیة فی الاخبار التونسیة ج ۲ القسم الاول ص ۱۰۶ تونس ۱۹۷۰ء۔

عرب جاہلیت کی معاشرت کی ایک جھلک

از- ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر ☆

(سلسلہ کے لئے دیکھئے معارف جولائی ۲۰۰۲ء)

عرب جاہلیت میں نکاح کے متعدد طریقے رائج تھے۔

۱- نکاح کا ایک طریقہ تو وہ معروف طریقہ تھا جسے بعد ازاں اسلام نے قائم رکھا یعنی آدمی کسی عورت کے ولی کو نکاح کا پیغام دیتا، مہر ادا کرتا اور نکاح کر لیتا۔(۱)

۲- نکاح کا دوسرا طریقہ یہ تھا کہ شوہر اپنی منکوحہ بیوی سے کہتا کہ جب حیض سے پاک ہو جاؤ تو فلاں شخص کے پاس چلی جانا اور اس سے ہم بستری کرنا، ایسی عورت سے اس کا شوہر اس وقت تک جنسی تعلقات قائم نہیں کرتا تھا، جب تک اس نئے شخص سے اس کی بیوی حاملہ نہ ہو جائے۔ ایسا عموماً نجیب بچے کے حصول کے لئے کیا جاتا تھا، ایسے نکاح کو "نکاح استبضاع" کہتے تھے۔(۲)

(۱) سنن ابی داؤد، ابوداؤد، امام سلیمان ابن اشعث سجستانی لاہور، اسلامی اکادمی ۱۴۰۳ھ؍۱۹۸۳ء جلد ۱ ص ۳۰۶ (۲) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۰۶ نیز "بلوغ الارب"، آلوسی شکری محمود، مصر مطابع دار الکتاب العربی (مصر عارد) جلد ۲ ص ۴۔

☆ اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اسلامی تاریخ کراچی یونیورسٹی، کراچی۔

۳- دس سے کم افراد کسی عورت سے جنسی تعلقات قائم کرتے اور جب وہ عورت حاملہ ہو جاتی تو وضع حمل کے چند روز بعد وہ ان تمام مردوں کو جمع کر کے نومولود کو کسی ایک مرد کی طرف منسوب کر دیتی اور وہ شخص اس انتساب کو قبول کر لیتا، یہ فقط اس صورت میں ہوتا جب لڑکا پیدا ہو، ورنہ یہ جانتے ہوئے کہ عرب لڑکیوں کو پسند نہیں کرتے وہ عورت لڑکی کی پیدائش پر ایسا نہ کرتی تھی۔(۱)

۴- عموماً آزاد شدہ لونڈیاں جن کا کوئی سرپرست نہ ہوتا یا کوئی خاندان و قبیلہ ان کا پشت پناہ نہ ہوتا تو یہ کسی گھر میں بیٹھ جاتیں اور کئی کئی مردوں سے بیک وقت ان کا معاہدہ ہو جاتا کہ وہ ان کو خرچ دیں گے اور ان سے اپنی جنسی ضرورت پوری کرتے رہیں گے، حاملہ ہو جانے کی صورت میں وضع حمل کے بعد وہ عورت سارے معاہد مردوں کو جمع کرتی اور قیافہ شناس اپنے علم کے ذریعہ اس بچے کو جس مرد سے منسوب کر دیتا وہ بچہ اس کی ولدیت میں داخل ہو جاتا، ان پیشہ ور عورتوں کو "جھنڈیوں والیاں" (صواحبات الرایات) کہا جاتا تھا۔(۲)

۵- ایک اور طریقہ "نکاح المتعہ" کا تھا، یہ ایک عارضی نکاح ہوتا تھا، جو ایک مقررہ مدت کے لئے کیا جاتا تھا اور مدت گزرنے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتا تھا۔

۶- ایک نکاح "نکاح البدل" تھا، اس کی صورت یہ ہوتی کہ ایک شخص دوسرے شخص سے کہتا کہ تو میرے حق میں اپنی بیوی سے دست بردار ہو جا اور میں تیرے حق میں اپنی بیوی سے دست بردار ہوتا ہوں۔

(۱) سنن ابی داؤد، جلد ۲ ص ۳۰۶ نیز بلوغ الارب جلد ۲ ص ۴ (۲) ایضاً و بلوغ الارب ص ۵۔

۷۔ ایک طریقہ ”نکاح الشغار“ کا تھا، اس میں ایک شخص اپنی بیٹی، بہن یا بھتیجی کی شادی کسی شخص کے ساتھ اس شرط پر کرتا کہ دوسرا بھی اپنی بیٹی، بہن یا بھتیجی کی شادی اس سے کردے گا، اس طرز کے نکاح میں مہر نہیں رکھا جاتا تھا۔ (۱)

ان نکاحوں کا غالب مقصد تولید ہوتا تھا تاکہ زیادہ سے زیادہ بیٹے حاصل کئے جاسکیں جو عزت و شرف اور طاقت میں اضافے کا باعث ہوں، نکاح و تولید کے علاوہ افرادی قوت حاصل کرنے کا دوسرا طریقہ یہ تھا کہ رشتہ ولا (موالات) قائم کرکے زیادہ سے زیادہ موالی (حامی و مددگار) حاصل کئے جائیں، عرب جاہلیت میں موالی حاصل کرنے کے یہ طریقے معروف تھے۔

۱۔ **حلف**: تحالف یا حلف کسی ایک قبیلہ کا دوسرے قبیلے کے ساتھ وفاق تھا اس کی ضرورت کئی وجوہ سے پیش آتی تھی جن میں سب سے اہم وجہ یہ تھی کہ کمزور قبائل اپنی حفاظت کے لئے طاقت ور قبائل سے منسلک ہونا چاہتے تھے، عربوں میں حلف کی تاریخ بہت قدیم ہے، حلف الفضول کے نام سے ایک معاہدہ اسلام سے بہت پہلے ہوا تھا، یہ معاہدہ شہر مکہ کے باشندوں میں طے ہوا تھا، قبیلہ جرہم کے تین سرداروں نے حلف لے کر اقرار کیا تھا کہ اگر کسی کمزور و بےبس پر ظلم ہوا تو ہم اپنے خاندان سمیت اس وقت مظلوم کی حمایت کریں گے جب تک ظالم، مظلوم کا حق ادا نہ کردے اور ضعیف کو قوی سے اور اجنبی کو مقامی سے اس کا حق نہ دلادیں۔ (۲)

حلف الفضول کے نام سے دوسرا معاہدہ ہجرت سے قبل کا ہے اور تاریخ

(۱) بلوغ الارب جلد ۲ ص ۵ (۲) لسان العرب، ابن منظور افریقی، مصر، بولاق ۱۳۰۷ھ جلد ۱۰ ص ۳۹۹ تا ۴۰۲

میں بہت مشہور ہے۔

عرب میں قبائل کا ڈھانچہ مسلسل بدلتا رہتا تھا، بعض قبائل خوش حال ہوجاتے تھے اور تعداد بڑھ جانے کے باعث جب ایک وحدت میں کام چلانا دشوار ہوجاتا، تو دو یا دو سے زائد بطون میں تقسیم ہوجاتے، دوسری طرف جب ایک قبیلے کو خوش حالی نصیب نہ ہوتی تو اس کی تعداد میں کمی واقع ہوجاتی، اس صورت میں یا تو وہ کسی طاقت ور قبیلے کا سہارا ڈھونڈتا یا دوسرے کمزور قبائل کا حلیف بننے کی کوشش کرتا، یہ قبائلی معاشرے میں اس کی بقا کے لئے از بس ضروری ہوتا، اس لئے مکہ کے قریب چند کمزور قبائل زیادہ تر قریش کے دست نگر ہوکر رہ گئے تھے، چند قبائل جو اور بھی زیادہ کمزور تھے آپس میں مدغم ہوگئے تھے اور ان کا نام ”احابیش“ (۱) پڑ گیا تھا۔

اس قبیلے کی عددی اکثریت اس کی قوت اور اس قبائلی نظام میں اس کی حیثیت اور عزت کا سبب بنتی تھی، بعض اوقات یہ حلف یا معاہدہ دو قبائل کے درمیان ہوتا تھا اور بعض حالات میں ایک فرد (یا چند افراد) اور ایک پورے قبیلے کے درمیان ہوتا تھا، جب کوئی آزاد انسان کسی قبیلے کی حفاظت میں آنا چاہتا تو وہ اس کا مولی بن

(۱) مکہ کے نواح میں ایک پہاڑی ہے جسے ”حبشی“ کہتے ہیں، اسی پہاڑ کے دامن میں بعض قبائل نے جن میں حارث بن مناۃ بن کنانہ، عضل، قارہ، دیش اور المصطلق شامل تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی مناصرت اور معاونت پر قسمیں کھائی تھیں، قسم کے الفاظ یہ تھے۔ ”جب تک رات کی یہ شان ہے کہ وہ اندھیری ہو جب تک دن کا منظر یہ ہے کہ وہ روشن رہے، جب تک کوہ حبشی اپنی جگہ پر قائم رہے ہم لوگ غیروں کے مقابلے میں یک دست رہیں گے“۔ اسی مناسبت سے یہ ”احابیش قریش“ کے نام مشہور ہوئے (الطبقات الکبری جلد ۲ ص ۲۳)

جاتا، ایسے میں اس کے لئے دونوں قبائل (یعنی نسبی قبیلہ اور حلفی قبیلہ) کی طرف نسبت کرنا جائز سمجھا جاتا، مثلاً فلاں التمیمی ثم الوائلی یا فلاں الوائلی ثم التمیمی وغیرہ۔

دراصل معاشرے کے قبائلی نظام کے پیش نظر کوئی شخص اپنی زندگی مال و دولت اور عزت و آبرو کو محفوظ نہیں سمجھ سکتا تھا، جب تک کہ وہ کسی نہ کسی قبیلے سے کسی نہ کسی حیثیت سے وابستہ نہ ہوتا، پھر قبائل میں باہمی جنگ و جدل کا سلسلہ بھی چلتا رہتا تھا، اس لئے بعض اوقات ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کے ساتھ یا بعض قبائل آپس میں مل کر تحالف (Confederation) کا رشتہ قائم کر لیتے تا کہ دشمن قبائل کی غارت گری کے مقابلے کے لئے حلیف قبائل متحدہ محاذ پیش کر سکیں۔

لیکن رسول اللہ ﷺ نے حلف کو ممنوع قرار دیا اور فرمایا ''**لا حلف فی الاسلام**''، اس ممانعت کا باعث یہی تھا کہ اسلام میں کل مسلمان بھائی بھائی ہو گئے، اس لئے قبائل کی جزوی اور متحاربانہ عہد بندی اسلام کی نظر میں مذموم تھی، منشا یہ تھا کہ قبائل کی اندرونی چپقلش کو ختم کر کے اسلامی اخوت کو مستحکم کیا جائے۔ حلف کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی ایک اور حدیث بھی مذکور ہے، جس میں آپ ﷺ نے بعد از اسلام تو حلف کو بند کیا لیکن عہد جاہلیت کے معاہدوں کے ایفا پر زور دیا، یہ نکتہ بھی ذہن میں رہنا چاہئے کہ یہ فرامین اسلام کے شوکت کے زمانے، یعنی فتح مکہ کے زمانے کے ہیں۔(۱)

۲۔ **استلحاق**: اس کا طریقہ یہ تھا کہ کوئی شخص کسی شخص کو اپنے نسب میں داخل کر لیتا تھا اس طور سے یہ نیا شخص اس خاندان کا فرد بن جاتا تھا، ایسے شخص کو مستلحق اور دعی کہتے تھے، یہ مستلحق اور دعی کبھی غلام، قیدی یا مولی بھی ہوتا تھا، عہد جاہلیت میں

(۱) لسان العرب، جلد ۱۰، ص ۳۹۹۔

ایسے ادعیاء کی کمی نہیں تھی، یہ ادعیاء اس بات کے بھی مجاز ہوتے تھے کہ دوسرے کو اپنا مستلحق اور دعی بنا لیں، یہ استلحاق انفرادی بھی ہوتا تھا اور اجتماعی بھی، آخر الذکر صورت میں پورا قبیلہ، بطن یا فخذ رشتہ استلحاق میں منسلک ہو جاتا تھا، استلحاق عموماً اس صورت میں وجود میں آتا تھا کہ ایسا گروہ کسی قبیلے میں آکر مقیم ہو جاتا تھا یا پھر اپنے دشمنوں کے خلاف ان سے مدد طلب کرتا تھا، ایسے ادعیاء عموماً اپنے مستلحق کے خاندان کے افراد سمجھے جاتے تھے اور صریح کی طرح اپنے مستلحق کی وفات کے بعد میراث کے حق دار ہوتے تھے، استلحاق کے ذریعہ دونوں فریق فائدے میں رہتے تھے، ایک طرف تو مستلحق یا دعی اغیار کی دست برد سے محفوظ ہو جاتے تھے تو دوسری طرف استلحاق کرنے والے قبائل کو اپنی تعداد میں اضافے کا موقع ملتا تھا۔(۱)

مستلحق کی ضد ''خلیع''، تھی یعنی کسی شخص کو ناپسندیدہ امور کی وجہ سے قبیلے سے خارج کر دیا جاتا، ایسا شخص خلیع (یا لعین) کہلاتا تھا۔ اس بات کا اعلان خلیع کا باپ ایام حج کے موقع پر کرتا تھا کہ وہ اور اس کا قبیلہ اس شخص سے دست بردار ہوتا ہے اور اس کے کسی بھی فعل کی ذمہ داری اس پر یا اس کے قبیلے پر نہیں ہوگی، ایسے شخص کو قتل کر دینے پر قاتل کے اوپر کسی قسم کی دیت لازم نہیں آتی تھی، یہ خلیع آبادی سے دور تنہا یا گروہ بنا کر رہتے تھے، کبھی یہ کسی کے ہتھے چڑھ جاتے تو غلام بن جاتے اور کبھی یہ لوگ بھی دوسرے کو قتل کر دیتے اور سامان تجارت لوٹ لیتے، ایسے عاق شدہ لوگ صحرا میں کسی جگہ جمع ہو کر ایک گروہ بنا لیتے تھے اور لوٹ مار کر کے اپنا

(۱) صدر اسلام میں استلحاق کی ایک مثال زیاد بن ابیہ کی ہے جس کو بذریعہ استحاق حضرت امیر معاویہ نے اپنا بھائی قرار دیا تھا یہ تاریخ اسلام کا مشہور و معلوم واقعہ ہے، دیکھئے ابن خلدون تاریخ، جلد ۳ ص ۷، تاہم رسول اللہ ﷺ کے حکم ''الولد للفراش و للعاهر الحجر'' کی موجودگی میں اس قسم کے استحاق کی کوئی قانونی و اخلاقی حیثیت باقی نہیں رہ جاتی۔

پیٹ پالتے۔ حضریوں کے مقابلے میں بدویوں میں یہ رواج زیادہ تھا۔(۱)

۳۔ **مواخاۃ** : حلف میں مشابہ ایک اور رواج مواخاۃ کا تھا، یہ بھائی چارہ کبھی افراد کے مابین اور کبھی قبائل کے درمیان ہوتا تھا، رہج مواخاۃ استوار کرنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ کمزور قبائل و افراد و حامی و محافظ مل جائیں اور ان کے ساتھ ہی ساتھ حامی اور محافظ قبائل و افراد کی عددی قوت میں اضافہ ہو، یوں اس مواخاۃ کا فائدہ مخصوص سماجی حالات کی وجہ سے دونوں فریقوں کو ملتا تھا (یہ طریقہ اسلامی میں بھی ملتا ہے، ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے انصار و مہاجرین کے مابین مواخاۃ قائم کرکے انھیں ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا تھا تاکہ وہ ایک دوسرے کے مد مقابل آنے کے بجائے ایک دوسرے کا دست و بازو بن جائیں، ایک مواخاۃ رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں بھی کرائی تھی، کیوں کہ اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے بہت سے مسلمان اپنے قبیلے کی اعانت و امداد سے محروم ہو گئے تھے)۔

۴۔ **استرقاق (یعنی غلامی)** : غلامی نوع انسانی کی ہم عمر ہے، شاید اس کی وجہ انسانی فطرت کی استبدادیت ہے کہ وہ اپنے سے کمتر پر غلبہ حاصل کرنا چاہتی ہے، غلامی کا رواج قدیم سے قدیم معاشروں میں بھی ملتا ہے، قبل اسلام میں عرب میں غلامی کا اسی طرح رواج تھا جس طرح قرون قدیم و وسطی میں اس کا رواج باقی دنیا میں پایا جاتا تھا، دیگر بڑے شہروں کی طرح مکہ کی منڈی میں بھی ان کی خرید و فروخت ہوتی تھی، اس دور میں غلاموں کا سب سے مشہور تاجر عبداللہ بن جدعان تھا۔(۲)

---

(۱) اسلام میں جس طرح الحاق کی گنجائش نہیں ہے اسی طرح اولاد کو عاق کر دینے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ (۲) عبداللہ بن جدعان چھٹی صدی عیسوی کے اواخر میں قبیلہ تیم بن مرہ کا ایک (بقیہ حاشیہ ص ۲۰۵ پر)

اس دور میں غلام ان تمام معلوم ذرائع سے حاصل کیے جاتے تھے جو اس عہد کی متمدن اقوام میں رائج تھے، یعنی جنگ میں ہاتھ آنے والے مغلوب افراد قیدی بنا لئے جاتے تھے۔ اکا دکا بھولے بھٹکے اور تنہا سفر کرنے والے مسافروں کو بھی اغوا کرکے غلام بنا لینے کا رواج تھا، "خلیع" اگر چالاک لوگوں کے ہتھے چڑھ جاتے تو انھیں بھی غلام بنا لیا جاتا تھا۔ عرب، حبشہ اور قرب و جوار کے ممالک سے غلاموں کی خرید و فروخت بھی کرتے تھے۔ قبیلہ قریش میں بھی یہ تجارت جاری تھی۔ جب کوئی شخص کسی غلام کو خرید لیتا تو اس کے گلے میں رسی ڈال دیتا اور اسے رسی سے پکڑ کر گھر لے جاتا تھا۔

ایسے اسیران جنگ جو فاتح قبائل کے ہاتھ آتے تھے انھیں گرفتار کرنے والے عموماً ان کے بال کاٹ کر اپنے ترکش میں رکھ لیتے تھے اور جب تک ایسے لوگ اپنی آزادی خرید نہ لیں ان کے بال ان کے گرفتار کنندہ اپنے پاس محفوظ رکھتے تھے[۱]

عرب کے جاہلی معاشرے میں غلاموں کی کثرت تھی، خصوصاً امراء و ملوک کے یہاں اس کی کوئی حد نہیں تھی، بعض کے غلاموں اور کنیزوں کی تعداد سینکڑوں، ہزاروں سے متجاوز تھی، چنانچہ جب ذوالکلاع حمیری کا وفد خلیفہ ابوبکر صدیقؓ کے پاس آیا تو اس کے خاندان اور قبیلے کے افراد

(بقیہ حاشیہ ص ۲۰۴) ممتاز قریشی تھا، اس نے تجارت اور غلاموں کی خرید و فروخت سے اتنی دولت جمع کر لی کہ مکے کے متمول اشخاص میں اس کا شمار ہونے لگا۔ شاندار ضیافتیں کھلانے میں اس کی دریا دلی ضرب المثل تھی۔ وہ اپنے عز و وقار کی وجہ سے سیاسی معاملات میں بھی دخل رکھتا تھا۔ ابن ہشام (جلد ۱ ص ۱۴۱) اور یعقوبی (جلد ۲ ص ۱۲) کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ مکے کا قبائلی اتحاد جو "حلف الفضول" کے نام سے مشہور تھا، محرک عبداللہ بن جدعان تھا۔

[۱] بلوغ الارب، جلد ۳ ص ۱۵، نیز تاریخ التمدن الاسلامی جرجی زیدان، جلد ۳ ص ۲۷

کے علاوہ ایک ہزار غلام بھی اس کے ہم رکاب تھے۔ الغرض اشرافِ عرب میں کسی کا گھر غلاموں سے خالی نہ تھا۔

عرب کے لوگ باندیوں سے شادی بھی کرتے تھے اور ان سے جو اولاد ہوتی تھی انہیں بھی غلام ہی سمجھا جاتا تھا۔ البتہ اگر وہ کوئی بڑا کام انجام دیتے تو انہیں آزاد کر کے آقا اپنا بیٹا بنا لیتے تھے۔ پھر ایسے بیٹوں کی حیثیت میں اور آزاد ماؤں کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا۔ اس کی مثال مشہور جاہلی شاعر عنترہ بن شداد العبسی کی ہے جس کا ایک قصیدہ "سبعہ معلقہ" میں شامل ہے۔ عنترہ کے باپ شداد نے اسے خاصی بڑی عمر کا ہو جانے کے بعد اپنا بیٹا تسلیم کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ عنترہ ایک سیاہ فام لونڈی "زبیبہ" کے بطن سے تولد ہوا تھا۔ جاہلی دور میں یہ عربوں کا دستور تھا کہ لونڈی کے بطن سے پیدا ہونے والے بیٹے کو غلام بنا کر رکھتے تھے۔ عنترہ کے دوسرے ماں جائے بھائی سب غلام تھے۔ ایک بار ایک عربی قبیلے نے بنی عبس کے کچھ لوگوں پر چھاپا مارا اور ان کا مال لوٹ لیا۔ بنی عبس کے بعض افراد نے ان کا پیچھا کیا اور دونوں میں جنگ شروع ہوگئی، انہی میں عنترہ بھی تھا۔ اس کے باپ شداد نے اس سے کہا "عنترہ حملہ کر" عنترہ نے جواب دیا "غلام کیا حملہ کرے گا وہ تو دودھ دوہنا جانتا ہے" اس پر اس کے باپ نے کہا "حملہ کر تو آزاد ہے" اس پر عنترہ نے ان سے جنگ کی اور ان کے قبضے سے تمام مالِ غنیمت چھڑا لیا۔ اس واقعہ کے بعد اس کے باپ نے اسے بیٹا تسلیم کر لیا[1]۔

عہد جاہلیت میں غلاموں کو آزاد کرنے کا بھی تصور تھا۔ آزادی کا ایک طریقہ "مکاتبت" تھا۔ کوئی غلام یا لونڈی اپنی آزادی کے لئے اپنے آقا کو ایک معاوضہ ادا کرنے کی پیش کش کرے اور جب آقا اسے قبول کر لے تو دونوں کے درمیان شرائط طے ہو جائیں۔ ضروری نہیں کہ

[1] بلوغ الارب جلد ۳ ص ۱۰ ۔

معاوضہ مال ہی کی شکل میں ہو۔ آقا کے لئے کوئی خدمت انجام دینا بھی معاوضہ بن سکتا تھا بشرطیکہ فریقین اس پر راضی ہوں۔

آزادی کا ایک طریقہ یہ تھا کہ آقا اپنے غلام کی آزادی کے لئے مرنے سے قبل وصیت کر دے تو آقا کے مرنے پر یہ غلام آزاد ہو جاتا تھا۔ یہ طریقہ "تدبیر" اور اس طریقہ سے آزادی حاصل کرنے والا غلام "مدبر" کہلاتا تھا۔ غلام کو مدبر کرنے کے بعد عموماً آقا اس کو اپنی زندگی میں فروخت کر سکتا تھا اور نہ ہی بطور ہبہ و بخشش کسی کو عطا کر سکتا تھا۔

آزادی کی ایک صورت یہ ہوتی تھی کہ غلام زرِ فدیہ ادا کر دے اور ایک صورت یہ تھی کہ آقا اس کی کسی خدمت پر خوش ہو کر اسے آزاد کر دے۔

حصولِ آزادی کے بعد یہ آزاد کردہ غلام "موالی" کہلاتے تھے اور ان کی نسبت ان کے آزاد کنندہ کے قبیلے کی طرف ہوتی تھی اور وہ مثل رشتہ دار کے سمجھے جاتے تھے اور وراثت میں بھی حصہ دار ہوتے تھے۔

اب تک کے بیان سے جو صورت سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ عرب جاہلیت میں انفرادی و اجتماعی بقا کے لئے یہ ضروری سمجھا جاتا تھا کہ ہر قبیلہ اپنی تعداد بڑھائے۔ تعداد میں اضافے کے کئی طریقے تھے جو اوپر بیان کئے گئے۔ یہی ضرورت گویا "طریقہ ولاء" کی اساس تھی۔ اس کے علاوہ ایک بات اور بھی تھی اور وہ یہ کہ ایسے ملک میں جہاں کوئی منظم حکومت نہ ہو اور جو شدید قسم کی لامرکزیت کا شکار ہو، ان لوگوں کی جان و مال کیسے محفوظ رہے جو یہاں کسی ضرورت یا کسی مجبوری کی وجہ سے آ رہے ہوں؟ اس غرض سے یہ طریقہ رائج کیا گیا کہ ایسے لوگوں کو موالات کے طریقہ سے کسی قبیلے کا رکن بنا لیا جائے اور یہ طریقہ ادغامِ اغیار جیسا کہ آج کی دنیا میں بھی جاری ہے اس عہد میں بھی رائج تھا[1] اور اسلام آنے کے بعد بھی عرصہ دراز تک جاری رہا۔

[1] عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ڈاکٹر حمید اللہ، ص ۷۰-۷۱۔

یہ نظام موالات جو عرب میں جاری تھا بلاشبہ کوئی نیا نظام نہیں تھا بلکہ اس عہد میں قریب قریب ہر قوم کو کم از کم غیر ملکی باشندوں اور ملک میں مفتوح، مغلوب اور آزاد شدہ غلاموں کے مسائل درپیش تھے۔ جسے مختلف اقوام نے اپنی سوچ اور فکر کے مطابق حل کیا۔ مثلاً قدیم اہل ہند نے مفتوح و مغلوب اقوام کو جو غیر آریائی تھیں عام انسانی حقوق سے بھی محروم کر کے انہیں اچھوت یا شودر کا نام دے کر معاشرے کا سب سے نچلا طبقہ بنا دیا جن کی وجہ تخلیق اور واحد ذمہ داری برتر ذاتوں کی خدمت گاری ٹھہری۔ وہ مر کر بھی اس غلامی سے آزاد نہیں ہو پاتے تھے۔ اسی طرح اہل یونان اور ان کے جانشینوں اہل روم نے اپنے زیر نگیں غیر اقوام کو کس مپرسی میں رکھا۔ ان کی حیثیت آزاد غلام سے زیادہ نہیں تھی اور وہ زندگی کی ان تمام سہولتوں سے قریب قریب محروم تھے جو روم و یونان کے عام شہریوں کو میسر تھیں۔ یہی حال ایران کا تھا جہاں غیر اقوام غلاموں کے درجے میں رکھی جاتی تھیں اور نسل ایرانی سے ہمسری اور ہم چشمی کی جرأت بھی جرم سمجھی جاتی تھی ہندوستان ایران اور یونان و روم میں غیر اقوام سے اس سلوک کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کے فلسفیوں اور دانش وروں نے انہیں یہ نظریہ عطا کیا تھا کہ دیگر اقوام کے مقابلے میں انہیں ایک الوہی تقدس حاصل ہے اور انہیں دیگر اقوام پر حکومت کرنے کے لئے ہی پیدا کیا گیا ہے۔

یہ عرب جاہلیت کی کم مائیگی تھی کہ ان میں ایسا کوئی مفکر پیدا نہیں ہوا جس نے سامی نسل کی برتری کا نعرہ لگایا ہو۔ لہٰذا عربوں کے ذہن اس تنگ نظری سے خالی تھے۔ ان میں ذہنی اعتبار سے بڑی وسعت اور فکری اعتبار سے بڑی سادگی تھی اسی لئے جب اس معاشرے میں غیر عرب یا آزاد کردہ غلام در آئے تو عربوں نے انہیں اپنے نظام موالات کے ذریعہ اپنے

اندر ضم کر لیا اور یہ ادغام اتنا مکمل تھا کہ اس کے بعد عرب اور غیر عرب میں کوئی تمیز باقی نہ رہی اور اس سرزمین میں جو بھی آیا وہ عرب ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ عرب جاہلیت میں یمن کے اسرۂ حاکمہ ابنائے احرار[1] اور حجاز کے یہود[2] قبائل کے سوا غیر عرب آباد کار خواہ ان کی تعداد کتنی ہی کیوں نہ ہو اس طور سے باہم مل جل گئے تھے کہ عرب کے سوا گویا یہاں کوئی اور بستا ہی نہیں تھا۔

المختصر عربوں نے غیر عربوں اور ایک قبیلے نے دوسرے قبیلے کو ان کی مرضی سے اپنے میں مدغم کرنے کی غرض سے "نظام ولاء" رائج کیا اور یوں اس محدود معاشرے میں جو قبائلی نوعیت کا تھا ایک گونہ وسعت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اس پیمانِ ولاء سے وابستہ دونوں ہی فریقوں کو فائدے پہنچے۔ وہ افراد جو کسی قبیلے سے عقد موالات کرتے تھے ان کو جان و مال کی حفاظت

---

[1] یمن پر اہل حبشہ کے تسلط کو ختم کر کے جب ایرانی یہاں قابض ہو گئے تو انھوں نے یہاں رہ کر مقامی لوگوں میں شادی بیاہ کے تعلقات بھی قائم کئے۔ لیکن اپنی انفرادیت برقرار رکھنے کے لئے ان ایرانیوں نے اپنے لئے "ابناء الاحرار" (آزاد باپوں کی اولاد) کا نام تجویز کیا۔ انہیں "ابناء الملوک" (بادشاہوں کی اولاد) کا نام بھی دیا گیا ہے جو مختصر ہو کر ابناء رہ گیا۔ ابناء نے رسول اللہ کی دعوت پر لبیک کہا اور اسلام قبول کیا۔ فتنۂ ارتداد میں بھی ان کے قدم نہیں ڈگمگائے۔ صدر اسلام میں وہب بن منبہ ہمام بن منبہ اور طاؤس بن کیسان جیسے جلیل القدر تابعی انہیں ابناء سے تعلق رکھتے تھے۔ [2] یثرب کے یہود قبائل نے بنو اوس و خزرج سے محالفت و موالات کے باوجود اپنی انفرادیت باقی رکھی ان کے محلے اور گڑھیاں الگ، ان کے رسم و رواج الگ اور ان کے نسلی غرور و امتیاز باقی تھے۔ اور وہ انصار یا دوسرے قبائل عرب میں مدغم نہیں ہوئے [3] عرب جاہلیت میں موالی، پروفیسر علی محسن صدیقی، ماہنامہ "آگہی" کراچی، جلد ۲ شمارہ ۳/۴ بابت مارچ، اپریل ۱۹۹۰ء (مضمون)۔

کی ضمانت اور حامیوں کی ایک جماعت مل جاتی تھی۔ اسی طرح وہ قبائل جو ایسے افراد کو اپنا مولیٰ بنا لیتے تھے، انہیں اپنی تعداد بڑھانے اور اپنے حریفوں کے مقابلے میں طاقت پہنچانے کا موقع مل جاتا تھا۔

کتابیات

عربی کتب :۔

۱۔ ابن اثیر جزری، ابوالحسن علی بن محمد، 'الکامل فی التاریخ'، دار صادر بیروت ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء

۲۔ ابن خلدون، عبدالرحمن بن محمد، 'مقدمہ'، دار صادر بیروت (تاریخ ندارد)

۳۔ " ، 'کتاب العبر و دیوان المبتدا و الخبر'، مصر (تاریخ ندارد)

۴۔ ابن سعد، ابو عبداللہ محمد، 'الطبقات الکبریٰ'، دار صادر بیروت ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء

۵۔ ابن قتیبہ الدینوری، 'المعارف'، قدیمی کتب خانہ، کراچی (تاریخ ندارد)

۶۔ ابن منظور افریقی، 'لسان العرب'، بولاق، مصر ۱۳۰۷ھ۔

۷۔ ابن ہشام، 'السیرۃ النبویۃ'، مصطفیٰ بابی حلبی مصر ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۵ء

۸۔ ابوتمام حبیب بن اوس الطائی، 'دیوان الحماسہ'، مصر ۱۳۷۴ھ/ ۱۹۵۵ء

۹۔ ابوداؤد، امام سلیمان بن اشعث، 'سنن ابوداؤد'، اسلامی اکادمی لاہور ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء

۱۰۔ احمد امین المصری، 'فجر الاسلام'، لجنۃ التالیف والنشر، قاہرہ ۱۹۶۵ء

۱۱۔ آلوسی، شکری محمود، 'بلوغ الارب'، مطابع دار الکتاب العربی مصر (تاریخ ندارد)

۱۲۔ جرجی زیدان، 'تاریخ التمدن الاسلامی'، دار الہلال، مصر ۱۹۴۷ء

۱۳۔ " " 'العرب قبل الاسلام'، مطبعۃ الہلال، مصر ۱۹۰۸ء

۱۴۔ زمخشری، محمود بن عمر، 'الکشاف'، مطبعۃ الاستقامۃ، قاہرہ ۱۳۶۵ھ

۱۵۔ طبری، ابوجعفر محمد بن جریر، 'تاریخ الرسل والملوک'، دار المعارف، مصر ۱۹۶۱-۹ء

۱۶۔ مرزوقی، شیخ ابی علی الاصفہانی، 'کتاب الازمنہ والامکنہ'، حیدرآباد دکن، ۱۳۳۲ھ

۱۷۔ یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب، 'تاریخ الیعقوبی'، دار صادر بیروت ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ء

اردو کتب و رسائل :۔

۱۸۔ حمید اللہ، ڈاکٹر محمد، 'رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی'، دار الاشاعت کراچی (بار ششم)

۱۹۔ " " 'عہد نبوی میں نظام حکمرانی'، اردو اکیڈمی سندھ کراچی ۱۹۸۱ء

۲۰۔ گستاؤ لیبان، 'تمدن عرب'، (مترجم سید علی بلگرامی)، مقبول اکیڈمی، لاہور۔

۲۱۔ ندوی، سید سلیمان، 'تاریخ ارض القرآن'، مجلس نشریات اسلام کراچی (تاریخ ندارد)

۲۲۔ ماہنامہ 'المعارف'، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور اکتوبر ۱۹۸۱ء (مضمون علی محسن صدیقی)

۲۳۔ ماہنامہ 'آگہی'، جلد ۲ شمارہ ۳۰۳ بابت مارچ اپریل ۱۹۹۰ء کراچی (مضمون علی محسن صدیقی)

حضرت مولانا شاہ تقی حیدر قلندر کاکورویؒ

از جناب مسعود الحق علوی کاکوروی*

بہ شہر لکھنؤ جائیست معمور	سوئے مغرب بہ کاکوری ست مشہور
علا آتش بہ رفعت سر کشیدہ	سر برِ قصر تا گردوں رسیدہ
درو ارباب علم و فضل بسیار	ہنرمندان نامی نیک کردار
بسے ذی شوکت و ذی شان و ثروت	بسے ارباب جاہ و عز و حشمت
بسے از نیک بختانِ زمانہ	ز مقبولانِ حق دار ند خانہ[1]

قصبہ کاکوری (ضلع لکھنؤ) کی شہرت و امتیاز کے فروغ میں وہاں کے صاحب اسباب، دول و ثروت اور شعرا، ادبا، سفرا اور علما و فضلا ہی نہیں بلکہ خانقاہ کاظمیہ قلندریہ کے مشائخ اور بزرگوں کا بھی بڑا اہم حصہ رہا ہے، جن کی جہدِ مسلسل، عبادت و ریاضت، تزکیۂ نفس و تصفیۂ باطن، فیضِ نظری و کیمیا اثری اور زورِ قلم نے اپنے معاصرین ہی نہیں بلکہ متاخرین کے لئے بھی ایک لائحہ عمل ترتیب دیا۔

حضرت سجادہ نشینان خانقاہ نے ہر دور کے حالات کے پیشِ نظر متواتر ایسی بیش بہا

---

[1] مثنوی باغ و بہار از منشی فیض بخش علوی کاکوروی، مورخ اودھ (مخطوطہ) کتب خانہ انوریہ کاکوری۔

---

* ریڈر شعبۂ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

تصانیف اپنی یادگار چھوڑیں جو صاحبانِ علم و دانش کے لئے سرمۂ بصیرت ہیں۔ ان کی علمی و تحقیقی کاوشوں میں ان کے عینی تجربات و مشاہدات اور قلبی واردات بھی شامل ہیں۔ ان میں کا ہر فرد اپنے اسلاف کرام کے کارناموں اور حکیمانہ تعلیم و تزکیۂ نفوس کے فن میں مجتہدانہ طور پر ماہر تھا۔ ان کا شعار ابتدا سے آج تک اپنی وسیع المشربی، وضعداری، زہد و تقویٰ، فضل و کمال میں ان افراد میں سے جن کا سلوک اسلام کی یادگار اور قدیم تہذیب کا نمونہ ہے۔

کاکوری کا مشہور سلسلہ علیہ قلندریہ جو اپنی وسیع المشربی، رواداری اور جذب و سرمستی میں مشہور ہے، اس کے بعض نامور مشائخ کے حالات زندگی اور سوانحی واقعات میں ہمیں اس جگہ وہ رنگ صاف نظر آتا ہے جہاں خانوادۂ علم اللہی کا اس کے ساتھ پیوند ہوا ہے اور دونوں سلسلے کسی ایک شخصیت میں جمع ہو گئے ہیں گویا ایک نور مستطیل ہے کہ جدھر سے گزرتا ہے اپنی روشنی چھوڑ جاتا ہے۔ حضرت شاہ محمد کاظم قلندرؒ (۱۲۲۱ھ/۱۸۰۶ء) کو جو اس سلسلہ کے عظیم المرتبت بزرگ گزرے ہیں شاہ باسط علی صاحبؒ اور اس کے بعد شاہ ابو سعید صاحبؒ (نبیرہ سید آیت اللہ بن سید شاہ علم اللہؒ) سے اجازت حاصل تھی[1]۔ مجیز و مجاز کے درمیان جو نسبت، اتحاد اور رابطہ قلبی تھا اس کا اندازہ کرنے کے لئے حضرت شاہ ابو سعید قدس سرہٗ کے اجازت نامے کے چند جملوں کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

"اما بعد اللہ کے بندوں میں سب سے زیادہ ضعیف کمزور فقیر سید محمد ابو سعید حسنی حسینی بن سید محمد ضیاء الدین نقش بندی بریلوی اللہ ان کے ظاہر اور پوشیدہ گناہوں کو معاف فرمائے کہتا ہے کہ یہ ہمارے صاحبِ جمال و فضل و کمال بھائی عارف باللہ مولوی شاہ محمد کاظم بن شاہ محمد کاشف علوی کاکوروی ہیں۔ میں نے ان کو بوجہ ان کی سعادت ازلی و ابدی

---

[1] تذکرہ شاہ علم اللہ رائے بریلویؒ۔ مولانا محمد حسنی برادر زادہ مولانا سید شاہ ابو الحسن علی حسنی ندوی ص: ۱۸۰۔

کے حقیقت الحقائق کے شجر کے اسرار و معارف کے پھل چن لینے کا شائق پایا تو وہ مبارک ہے جس نے یہ عظیم کامیابی حاصل کی (چنانچہ) میں نے ان کو تمام اذکار و اشغال تلقین کئے جب ان کی شیرینی سے ان کا کام جاں شیریں ہوگیا اور ان پر برکات کے دروازے کھل گئے نیز لطائف بارزہ کا منہ اور ان کے احوال و آثار ظاہر ہوگئے اور ان کو وہ شہود حاصل ہوا جو قوم (حضرات صوفیہ) کے نزدیک سب سے اعلیٰ و منتہی مقصود ہے اور پھر میں نے ان میں وہ آثار و انوار مشاہدہ کر لئے اور ان کو مقام تمکین پر فائز پایا تو استخارہ کر لینے کے بعد ان کو طالبین کو رشد و ہدایت اور سالکین کو راہ سلوک بتانے کی اجازت دے دی نیز اس سلسلہ عالیہ میں بیعت لینے کی بھی۔ میں نے ان کو اسی طرح اجازت دی ہے جس طرح شیخ الاجازہ شیخ محمد عاشق (صدیقی پھلتی قدس سرہٗ) نے مجھے اجازت دی اور ان کو ہمارے شیخ اجل شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ نے عطا فرمائی تھی۔ اب میں اللہ سے وہ بات کہتا ہوں جو مجھ سے میرے شیخ نے فرمائی کہ ان کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے جس نے ان سے بیعت کی اس نے مجھ سے بیعت کی اور جس نے مجھ سے بیعت کی اس نے میرے شیخ (شاہ ولی اللہؒ) سے بیعت کی اور جس نے شیخ سے بیعت کی اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ..... اپنی ذات کے سلسلہ میں میری ان سے یہ وصیت ہے کہ وہ میرے لئے، میری اولاد کے لئے اور میرے اصحاب کے لئے نیکی کی دعا کریں اور ظاہر و پوشیدہ دونوں طور پر میری خیر خواہی کریں مجھے ان سے اسی کی امید بلکہ یقین ہے"[1]

مولانا شاہ تقی حیدر قلندر اسی نور مستطیل کی ایک تابناک کرن اور تاریخی تسلسل کی کڑی تھے جو اپنے متقدمین کی باعمل اور تابناک قلندرانہ زندگی کی مکمل آئینہ دار اور اجتماعی حیثیت سے ان کا لائق صد رشک مثالی پیکر تھی۔

ولادت | ۲۶ شوال روز پنجشنبہ ۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۰ء کو کاکوری میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر علوی قدس سرہٗ (۱۲۶۹ھ - ۱۳۲۴ھ) نے شریف حیدر اور غلام تقی نام تجویز کئے مگر جد امجد مولانا شاہ تقی اکبر قلندر قدس سرہٗ (۱۲۲۹ھ - ۱۳۱۲ھ) نے ان کا نام تقی حیدر رکھا۔ تاریخی نام نظام الدین حیدر ہے۔

تعلیم | حسب دستور چار سال کی عمر میں ان کے جد امجد نے ان کا نشرہ فرمایا اور کچھ عرصہ خود تعلیم دی، اس کے بعد مولانا منصب علی تالکانوی سے کلام مجید اور ابتدائی چند کتابیں پڑھیں۔ بعد ازاں والد ماجد مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر قدس سرہٗ نے ان کی مکمل تعلیم و تربیت اپنے ذمہ لی؛ فارسی کی مکمل تعلیم دی فارسی و اردو کی نثاری میں مہارت حاصل کی، عربی میں شرح ملا جامی قریب الختم تھی کہ والد ماجد کا مرض الوصال شروع ہوگیا۔ ان کے انتقال ۲۰ محرم الحرام ۱۳۲۴ھ کے بعد کل تعلیم و تربیت موصوف نے اپنے برادر معظم مولانا شاہ حبیب حیدر قلندر قدس سرہٗ (۱۲۹۹ھ - ۱۳۵۴ھ) سے پائی اور تفسیر، حدیث، فقہ، منطق و کلام و مناظرہ اور اخلاق و تصوف کی جملہ کتابیں ان سے پڑھ کر سند فراغ حاصل کی۔ استاد محترم پیر و مرشد اور برادر معظم نے ان کی علمی لیاقت اور شغف و انہماک کو جس شفقت آمیز انداز میں سراہا ہے۔ اس کے چند جملوں کے ترجمے ملاحظہ ہوں:

"میری قوت بازو، قابل اعتماد سالار درخت ولایت کے شیریں پھل، باغ کرامت کے سایہ دار درخت جن میں میرے معطر رشد کی خوشبو مہکتی ہے۔ میرے استاد مکرم کے لخت جگر جوان صالح، عالم بے بدل آفتاب کی مانند روشنی پھیلانے والے میرے بھائی مولوی محمد تقی حیدر

---

[1] تذکرہ گلشن کرم، مولانا حافظ شاہ تقی انور علوی، ص ۳۴-۳۶۔

بعد خانقاہ کاظمیہ قلندریہ میں جو شروع سے اہل کاکوری اور قرب وجوار کے طلبہ کی ایک علمی وروحانی درسگاہ رہی، طلبہ کو باقاعدہ درس بھی دینا شروع کیا اور تاحیات اس کا سلسلہ منقطع نہ کیا۔ صاحب تذکرہ مشاہیر کاکوری لکھتے ہیں:

"بدو شعور سے آثار ذکاوت وذہانت وجودت وصلاحیت آپ میں ظاہر و باہر تھے۔ انشا پرداز کاو نثر نویس عربی و فارسی میں بہت اچھی مہارت ہے بہت عمدہ و نفیس عبارت فارسی لکھتے ہیں، اوراد و مشاغل خاندانی کے بہت پابند ہیں شغل تصنیف و تالیف ہے، جس کی ابتدا ۱۳۲۶ھ سے ہوئی بہت عمدہ عمدہ تالیفات و تصانیف اس وقت تک ہو چکے ہیں"[1]

ابتدائی دور میں قدیم زمانہ کے طرز پر اردو عبارت مقفی و رنگین لکھتے، لیکن اس کے بعد بہت شستہ و عام فہم لکھتے تھے۔ حتی الامکان اردو عبارت میں عربی و فارسی تراکیب کا استعمال بہت ہی کم ہوتا۔ ان کے مرشد برادر معظم حضرت مولانا شاہ حبیب حیدر قلندر قدس سرہ اہم علمی مکاتیب کے جوابات ان ہی سے لکھواتے اور خانوادہ عالیہ کاظمیہ کے اکابر کی بیشتر تصانیف پر نظر ثانی اور درستی و صحت کا کام بھی ان کے سپرد فرماتے۔ اگر مسلسل بیماری، آنکھوں کے آپریشن اور معذوری کے زمانہ کو خارج کر کے ان کے تصنیفی و تحقیقی علمی کاموں مسودات کی تہذیب و ترتیب، تدریسی ذمہ داریاں، مبیضات کی تیاری، نادر کتابوں کی نقول وغیرہ کو شمار کیا جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ اوراد و وظائف و مشغولات و معمولات خاندانی انتظامی امور میں مشغولی صاحبزادگان کی تعلیم و تربیت، مکاتیب نویسی وغیرہ کے بعد کیسے اتنا وقت ملتا تھا کہ ایسے تحقیقی و علمی کام سرانجام پائے۔

[1] تذکرہ مشاہیر کاکوری، ص: ۸۴، ۸۸۔

اللہ ان کو تمام آفتوں سے محفوظ و مامون رکھے۔ اے اللہ ان کی عمر و رزق میں برکت فرما ان کے حال و قال میں اضافہ فرما، انہیں وہ دینی و دنیوی نعمتیں عطا کر جو ان کے مشائخ عظام و آبائے کرام کو عطا ہوئی ہیں جنھیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہو نہ کسی کان نے سنا ہو اور نہ کسی انسان کے دل پر وارد ہوا ہو۔ ان کو حاسدوں، مکاروں کے شر سے محفوظ رکھ اور ان کی ذات عزیز و کریم کو علما و اولیائے کرام کی آنکھوں کا تارا بنا دے، مجھے امید ہے کہ یہ اپنی خلوت و جلوت میں مجھے اپنی نیک دعاؤں میں نہیں بھولیں گے"[1]

مولانا نے تمام علوم بہت غور و خوض اور فکر و مباحثہ سے حاصل کیے، اکثر ایسا ہوتا کہ اگر کسی مسئلہ میں اشکال ہوتا اور سمجھ میں نہ آتا تو تین تین دن اس پر بحث کرتے اور جب تک پوری طرح ذہن نشین نہ ہو جاتا آگے سبق نہ لیتے۔ ظاہری و باطنی دونوں قسم کی تعلیم کا یہی حال تھا۔ اسی بنا پر ان کی تعلیم و تربیت، درس و تدریس اور تصانیف میں نفاست، نزاکت، حزم و احتیاط، نکتہ سنجی اور امتیازی شان بے مثال تھی۔

عربی فارسی اور اردو کی نثر نگاری میں کمال حاصل تھا اور قلم برداشتہ مضمون کے صفحے تحریر فرماتے۔ خط نہایت پاکیزہ و صاف تھا، کتب خانہ انوریہ میں موجود بکثرت مخطوطات اس کے گواہ ہیں۔ آیندہ روند کی حاضر باشی ان سے مختلف قسم کی گفتگو وغیرہ بھی تصنیف و تالیف کے کاموں میں کبھی حارج نہ ہوتی۔ ان سے گفتگو بھی فرماتے جاتے اور علمی و ادبی کاموں میں بھی اسی طرح مشغول رہتے۔ بچپن سے صحت خراب رہی۔ آنکھوں کا دو دو بار آپریشن ہوا مگر تصنیف و تالیف اور کتب بینی کے شغف میں کمی نہ آئی۔ ۱۳۲۶ھ میں تعلیم سے فراغت کے

[1] تذکرہ مشاہیر کاکوری۔ مولانا حافظ شاہ علی حیدر قلندر، ۱۹۲۶ء، لکھنؤ، ص: ۸۶-۸۴۔

علاوہ مستقل تصانیف کے انہوں نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر قدس سرہٗ کے متعدد فارسی رسائل کی تہذیب و ترتیب اور اردو ترجمے فرمائے جو فارسی عربی متن کے ساتھ طبع ہوئے۔

بیعت اجازت و خلافت ۵ جمادی الاول ۱۳۲۹ھ کو حضرت شاہ حبیب حیدر قلندر قدس سرہٗ سے سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ میں مرید ہوئے، آنجنابؒ نے والد ماجد قدس سرہٗ کی طرح اجازت و خلافت سے بھی سرفراز فرمایا۔

اولاد و اعقاب موصوف کا عقد نکاح ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۴ دسمبر ۱۹۱۲ء روز پنجشنبہ مولوی عبد العلی علوی کاکوروی مصنف "الفیض الجاری" کی چھوٹی صاحبزادی سے ہوا جن سے ۴ صاحبزادیاں اور سلسلۃ الذہب کی اشاعت کے واسطے دو صاحبزادے مولانا شاہ محمد مصطفیٰ حیدر قلندر مدظلہ العالی سجادہ نشین خانقاہ کاظمیہ قلندریہ اور ان کے برادر خورد مولانا حافظ شاہ محمد مجتبیٰ حیدر قلندر مدظلہ العالی ہیں۔

مسند ارشاد و تلقین انہوں نے برادر معظم مولانا شاہ حبیب حیدر قلندر قدس سرہٗ کے فاتحہ سیوم ۲۰ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ کے روز علما و مشائخ، عمائدین و مخلصین اور مسترشدین کی موجودگی

۱؎ تفصیلی حالات کے لئے مندرجہ ذیل مآخذ ملاحظہ ہوں۔ اذکار الابرار مولفہ مولانا شاہ تقی حیدر قلندر قدس سرہٗ، تذکرہ حبیبی دو جلد، تذکرہ مشاہیر کاکوری مولفہ مولانا حافظ شاہ علی حیدر قلندر قدس سرہٗ، سخنوران کاکوری از حکیم شاہ احمد علوی ساقی، نزہۃ الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر، مولانا سید عبد الحی الحسنی حسنیؒ، تذکرہ گلشن کرم، مولانا حافظ شاہ تقی انور علوی مدظلہٗ خانوادہ کاظمیہ کی ادبی خدمات۔ ڈاکٹر محمد کمال الدین PIETY ON ITS KNEES مصنف DR. MRS. CLAUDIA LIEBES-KIND (ایک جرمن اسکالر) الانتصاح عن ذکر اہل الصلاح مترجم مولانا شاہ معین الحمید علوی مدظلہٗ۔

میں اور ان سب کے اصرار پر ترک لباس فرما کر سجادہ نشین خانقاہ کاظمیہ ہوئے، یہ بھی فرمایا کہ آپ لوگ مصر ہیں اس لئے مجبور ہو رہا ہوں ورنہ مجھے معلوم ہے کہ میری زندگی صرف پانچ سال ہے۔ چنانچہ اس ارشاد کے مطابق پورے پانچ سال بعد ۱۹ ربیع الاول ۱۳۵۹ھ کو آرام گاہ قدس کو ابدی آرام گاہ بنایا۔

اخلاق و عادات بچپن سے آخر تک اپنے اساتذہ و بزرگوں کی خدمت میں بہت زیادہ مؤدب رہے۔ اگر کسی سے ذرا سی بے ادبی و گستاخی کا شائبہ دیکھتے تو سخت متنفر ہوتے۔ اپنے برادر معظم کی موجودگی میں تو ادب کا یہ حال کہ کئی کئی گھنٹے خانقاہ میں درس دیتے مگر ادباً پہلو نہ بدلتے، طلبہ کو ان کی موجودگی میں زبانی زجر و توبیخ فرماتے کہ مبادا غصہ میں آواز تیز ہو جائے جس کو بے ادبی اور خلاف حکم لا تجہروا اصواتکم سمجھتے تھے ان کے قیام کی حالت میں کبھی بیٹھتے نہیں۔ بلکہ ان کے سامنے کبھی اپنی اولاد تک سے تخاطب نہ فرمایا اور جس سعادت مندی، اخلاص و محبت نیز اصول طریقت کے مطابق اپنے بڑے بھائی (پیر و مرشد) کی خدمت و اطاعت اپنے اوپر فرض کی اس کی مثال نہیں ملتی۔ وہ تمام عمر اپنے فضل و کمال، علم و عمل مخفی کر کے اپنی ذات و صفات کو ان کی ذات میں گم کر کے لم یکن شیئاً مذکوراً کے سالک رہے۔

شرم و حیا کا یہ عالم کہ کبھی ان کو [illegible] نہ کبھی کسی کھلی جگہ غسل کیا، ہمیشہ غسل خانہ میں غسل کرتے اور وہاں بھی تہ بند باندھ کر۔ اصول پسندی، اصابت رائے، عاقبت اندیشی، حفظ مراتب، تواضع و وقار، معاملہ فہمی، اصول طریقت پر شدت سے عمل، ظاہرداری و مصلحت پسندی اور اظہار مشیخت سے تنفر، صبر و تحمل، اخفاء و کتمان حال، مخالفین و معاندین سے ہمیشہ حسن سلوک اور رضا بالقضا پر حیرت انگیز طور پر عمل جیسی صفات سے ایسے متصف تھے کہ باید و شاید۔ اصول طریقت پر سختی سے عمل اور غیر معمولی حزم و احتیاط کی بنا پر انہوں نے

صرف ۳ حضرات کو اجازت خلافت دی ۔ ۱۔ مولانا حافظ شاہ علی حیدر قلندر قدس سرہٗ (ہمعصر)
۲۔ مولانا شاہ مصطفیٰ حیدر قلندر مدظلہٗ (خلف اکبر) ۳۔ مولانا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر مدظلہٗ[1]
(خلف اصغر)

تصانیف الانسان الکامل فی معرفۃ الاواخر والاوائل: شیخ عبدالکریم جیلی آٹھویں نویں صدی ہجری کے مشہور صاحب تصانیف صوفی بزرگ ہیں۔ انسان کامل ان کی حقائق و معارف میں ایک مشہور عربی تصنیف دو جلدوں میں ہے۔ پہلی جلد میں ۱۳ ابواب اور دوسری میں ۱۲۲ ابواب ہیں۔ شاہ صاحب موصوف نے ان دونوں جلدوں کا نہایت آسان و عام فہم اردو ترجمہ کیا۔ حاشیہ پر آیات قرآنی، احادیث نبویؐ اور عربی اقوال کا ترجمہ بھی دیا۔ ۲۹۲ صفحات پر مشتمل اس کتاب کا مخطوطہ بخط مترجم نہایت صاف و خوشخط کتب خانہ انوریہ خانقاہ کاظمیہ میں موجود ہے۔ آخر میں یہ عبارت ہے:

"الحمد للہ کہ ترجمہ ہر دو جلد 'انسان کامل' کی صفائی سے مترجم کتاب بندہ احقر تقی حیدر کو ۲۴ ماہ جمادی الآخر روز پنجشنبہ ۱۳۳۶ھ فراغت ملی۔ اس کی جلد اول کا ترجمہ ۱۸ صفر المظفر روز پنجشنبہ ۱۳۳۶ھ کو ختم ہوا اور دوسری جلد کا ترجمہ ایک ماہ میں ۲۷ رجب روز سہ شنبہ ۱۳۳۶ھ میں تمام ہوا۔ والحمد للہ تعالیٰ اولاً و آخراً"

[1] ان کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو "النیر..." ... شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر مدظلہٗ، تذکرہ گلشن کرم مولفہ مولانا حافظ شاہ تقی انور علوی مدظلہٗ، تذکرہ مشاہیر کاکوری مولانا حافظ شاہ علی حیدر قلندر قدس سرہٗ، سخنوران کاکوری، حکیم نثار احمد علوی کاکوروی، الانتصاح عن ذکر اہل الصلاح مرتبہ مولانا شاہ حبیب الحیدر علوی مدظلہٗ، خانوادہ کاظمیہ کی ادبی خدمات، ڈاکٹر عمر کمال الدین۔ PIETY ON ... TSKNESS ۔ مصنفہ ڈاکٹر کلاڈیا لیبسکنڈ (جرمن) ... مولانا حافظ شاہ علی حیدر قلندر قدس سرہٗ۔

۲۔ ترجمہ اردو الکہف والرقیم فی شرح بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: حضرت شیخ عبدالکریم جیلی قدس سرہٗ نے اس کتاب میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی بڑی عارفانہ شرح کی ہے جو بہت دقیق ہے۔ شاہ صاحب قدس سرہٗ نے اس کا بامحاورہ سلیس اردو ترجمہ کیا۔ بعد ازاں خانقاہ کاظمیہ کے ایک ساختہ پرداختہ مسترشد شاہ محمد وہاج الدین قلندر ڈپٹی کلکٹر نے اس کی ایک عمدہ شرح لکھی۔ ۳۱۶ صفحات پر مشتمل یہ ترجمہ و شرح ۱۳۳۳ھ میں لکھنؤ سے طبع ہوئے۔

۳۔ تنویر الظلمات فی تفسیر المقطعات: حروف مقطعات قرآنیہ کی تشریح و تفسیر میں یہ عربی تصنیف مصنف کی دقت نظر، عربی نثر نگاری اور صلاحیت پر دلالت کرتی ہے۔ اس کا مخطوطہ بھی بخط مصنف کتب خانہ انوریہ میں محفوظ ہے۔ کتاب کا سنہ تصنیف ۱۳۲۲ھ ہے۔ اس کا سلیس اردو ترجمہ مصنف کے لائق صد افتخار نبیرۂ اجل مولانا حافظ شاہ تقی انور علوی خلف اکبر مولانا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر مدظلہٗ العالی (مترجم و شارح القول الجلی فی ذکر آثار الولی (ملفوظ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ) نے اپنے زمانہ طالب علمی میں کیا تھا۔ یہ ترجمہ بھی ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔

۴۔ انشائے نظامی: یہ زمانہ طالب علمی کے ان فارسی خطوط کا مجموعہ ہے جو مختلف بزرگوں اور چھوٹوں کے نام مع القاب و آداب ہیں۔ خطوط سے فارسی دانی، انشاپردازی کا معترف ہونا پڑتا ہے۔ اس کا قلمی نسخہ بھی کتب خانہ انوریہ میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں مولوی محمد عالم صاحب قیصری کاکوروی کے نام ۱۶، ۱۷ برس کی عمر کے مکتوبات ان کی نکتہ سنجی، حقائق و معارف سے واقفیت اور ادبیت کے شاہکار ہیں[1]۔

۵۔ ترجمہ مجاہدات الاولیاء: حضرت شاہ تراب علی قلندر کاکوروی ...

[1] ملاحظہ ہو "النیرین" مولفہ مولانا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر مدظلہٗ، رشحات قیصری از مسعود انور علوی کاکوروی۔

۱۲۶۸-۱۲۷۵ھ - ۱۸۵۸ء) خلف اکبر عارف باللہ شاہ محمد کاظم قلندر بانی خانقاہ کاظمیہ (۱۱۵۸ھ/ ۱۷۴۵ء - ۱۲۲۱ھ/ ۱۸۰۶ء) اپنے عہد کے ایک عارف باللہ اور فارسی و اردو اور ہندی زبان کے نغز گو شاعر ہی نہیں بلکہ متعدد گراں قدر مصنفات کے مصنف بھی تھے انھوں نے تصوف میں ۳۱۲ صفحات پر مشتمل ایک فارسی کتاب ۱۲۶۸ھ میں تصنیف فرمائی تھی۔ جس میں اولیائے متقدمین و متاخرین کے ریاضات و مجاہدات، تذکرۃ الاولیا، نفحات الانس، اخبار الاخیار اور حضرات مشائخ چشتیہ کے ملفوظات اور سلسلہ قلندریہ کے بزرگوں کے مجاہدات سے نقل کر کے یکجا کئے تھے۔

شاہ صاحب موصوف نے اس کتاب کا اردو ترجمہ ۱۳۲۵ھ میں فرمایا۔ اس کا مخطوطہ بھی کتب خانہ انوریہ خانقاہ کاظمیہ میں بخط مترجم موجود ہے۔

۶۔ مناظر الشہود فی مراتب الوجود : مراتبِ وجود سے متعلق یہ ۵۶ صفحات پر مشتمل رسالہ جہاں حضرت مصنف کے عرفان و مشاہدہ اور حقائق و معارف سے آگہی پر دلالت کرتا ہے وہیں اردو زبان میں ان کی مہارت اور تصوف کے دقیق رموز و نکات کو دل نشین پیرایہ بیان میں پیش کرنے کی قدرت کی بھی شہادت دیتا ہے۔ مقدمہ میں وجود مطلق کے بہ لحاظ شہود نزول و عروج کے ان چالیس مراتب کا ذکر ہے جن کو حضرت شیخ عبدالکریم جیلی نے الکہف والرقیم فی شرح بسم اللہ الرحمن الرحیم میں بیان فرمایا ہے۔ یہ رسالہ بھی حضرت شاہ صاحبؒ کے ابتدائی عہد کی تصنیف ہے جو ۱۳۳۲ھ میں مطبع خورشید عالم ریاست رام پور میں چھپا۔ مقدمہ میں فرماتے ہیں:

"قربان اس شاہد بے پروا و لاابالی کے جس نے اپنی کمال بے نیازی میں جمال و جلال سے آراستہ ہو کر جمال کے جمال کا نام عشق اور جلال کے جمال کا نام حسن رکھ کر اپنے مصدر ملاحت میں شانہ و اِنَّ اللّٰہَ جمیل و یحب الجمال فرمایا اور ہنگامہ آرائی شہود خودنمائی

و خود بینی ہوا ؎

یارِ من با کمال رعنائی ۔۔۔ خود تماشا و خود تماشائی

شد چو حب نظارہ دامن گیر ۔۔۔ گشت مطلق بدام قید اسیر

از تقاضائے حب جلوہ گری ۔۔۔ آمد اندر حصار شیشہ پری

جلال نے جمال کو دیکھا جمال نے جلال کو پایا۔ یہ پہلا ناز معشوقانہ تھا کہ اس نے اپنی شدت ظہور کی وجہ سے جمال کی نظر سے جلال کی شوخی میں اور جلال کی نظر سے جمال کی خوبی میں پوشیدہ ہو کر عزت و کبریائی سے فرمایا کہ یُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ وَاللّٰہُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ[1] اور یہ دوسرا انداز دل فریب تھا کہ اپنے بطون کی نقاب ظہور کے چہرے سے ہٹا کر اپنے کمال کی نظر میں ہزاروں جاہ و جلال و حسن و جمال کے ساتھ بے پردہ مشہود ہوا اور ایک شوخی نگہ و تبسم سے فرمایا کہ اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ[2] اور اپنی یکتائی بے حرف و صوت سے گویا ہوا کہ لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ... وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ[3] یہی وہ الف ہے کہ جس نے مشہد بسم اللہ میں اپنی تنزیہ کی تشبیہ معانی میں اور اپنی تشبیہ کی تنزیہ صورت میں ثابت کر کے ظہور و بطون کو ایک کر لیا ہے کہ بجز وجود محض کے تنزیہ و تشبیہ و ظہور و بطون میں کچھ نہ رہا جیسا کہ نہ تھا ؎

کہ بند د طرف آواز حسن شاہی ۔۔۔ کہ با خود عشق ورزد جاودانہ

یہی عشق ہے جس کی طرف نزول کے اعتبار سے حدیث قدسی کنت کنزاً مخفیاً فاحببت

---

[1] اللہ تعالیٰ تم کو اپنے نفس سے خبردار کرتا ہے وہ بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ سورۂ آل عمران آیۃ ۳۰ [2] تم جدھر منھ پھیرو ادھر وجہ اللہ ہے سورۂ بقرہ آیۃ ۱۱۵ [3] آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر پاتیں لیکن وہ کر لیتا ہے وہ بڑا لطف فرمانے والا اور باخبر ہے۔ سورۂ انعام ۱۰۳۔

ان اعرف فخلقت الخلق[1] میں لفظ فاحببت سے اشارہ ہے اور عروج کے اعتبار سے اس کی تعریف العشق نار یحرق ماسوی المحبوب[2] ہے یعنی نیستی بھی حضرت عشق کا تقاضا ہے اور ہستی بھی ان ہی حضرت کا کھیل ہے۔ سچ تو یوں ہے کہ تنزیہ و تشبیہ و ظہور و بطون صفات و شیون ہیں اور حضرت عشق محض ذات بے چون و چگوں ہے

عشق شاہ و عشق ماہ و عشق راہ بر سر خود عشق می پوشد کلاہ

عشق عالم عشق آدم با یقین ہر چہ بینی در حقیقت عشق بین

عشق وہم و عشق فہم و عشق ہوش عشق دست و عشق پای و عشق گوش

عشق صورت در جہاں خود نمود جملہ اشیا در حقیقت عشق بود

چند گویم عشق این و عشق آن ہر چہ بینی عشق بین و عشق دان

اسی عشق کا کرشمہ ہے جس نے احدیت کو وحدت میں منزوی کیا اور وحدت کو واحدیت میں مخفی رکھا۔ عناصر اربعہ کو واحدیت سے ظاہر کیا۔ اعیان ممکنات کو حجاب اسما بنایا اور اسما کو حجاب صفات ٹھہرایا۔ صفات کو حجاب ذات قرار دیا اور پھر ذات اپنے تمام حجابات صفاتی و اسمائے کونی میں بے پردہ و بے حجاب خود در خود مشہود و متجلی رہی، کعبہ کی سجدہ ریزی سومنات کی خاک بیزی، صومعہ کی خلوت، خرابات کی جلوت، شمع کا نور، پروانہ کا سرور بادہ کا جوش، پیمانہ کا نوشا نوش، حسن کو آن، جسم کو جان، زلف کو تسلسل، نگاہ کو کیف مل پانی کی روانی، آتش کی تیززبانی، خاک کی بربادی، باد کی آزادی، چشم کو نور، دل کو حضور، کثرت کو وحدت، وحدت کو کثرت، گلشن کو آب، گل کو تاب، آنکھ کی بینائی، دل کی دانائی

---

[1] میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا میں نے چاہا کہ مجھے پہچانا جائے، تو میں نے مخلوق پیدا کی۔ تاکہ پہچانا جاؤں۔ ا ہ ۱۲ منہ

[2] عشق ایک ایسی آگ ہے جو محبوب کے سوا سب کچھ جلا ڈالتی ہے۔

سب اسی کا تصدق و طفیل ہے

ہر چہ گویم عشق را شرح و بیاں چوں بعشق آیم خجل باشم ازاں[1]

رسالے کے مقدمہ میں دیگر حقایق و معارف کے بیان کے بعد حضرات خمسۂ عروج کے مراتب ستہ ناسوت، ملکوت، جبروت، لاہوت، ہاہوت، یاہوت کا بیان بھی ہے۔

۷۔ ہدیۃ الشرف فی ترجمۃ من عرف : مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر قدس سرہٗ کی فارسی زبان میں ۲۵۶ صفحات پر مشتمل یہ تصنیف ان کے ابتدائی عہد کی ہے جس میں انہوں نے اس مشہور مقولہ کی بابت مدلل بحث کی ہے۔ من عرف نفسہ فقد عرف ربہٗ جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔ مصنف نے اس کی تحقیق اور معانی و مطالب کی تشریح و وضاحت بڑے موثر اور دل نشیں انداز میں کی ہے۔ نفس انسانی اور اس کی حقیقت نیز خودشناسی میں خداشناسی اور خداشناسی میں خودشناسی کو ظاہر کیا ہے، خطرات وسوسہ اور ہواجس و الہام کے اقسام نفس امارہ، لوامہ اور مطمئنہ کی تعریف ان کے باہمی فرق کو بیان کیا اور ان پر بحث کی ہے۔

مترجم موصوف نے اس کا سلیس و بامحاورہ اردو ترجمہ کیا اور افادۂ عام کی خاطر دقیق فارسی اشعار کے بجائے اپنے جد محترم مولانا شاہ تراب علی قلندر کے اردو اشعار تشریح و تفہیم کی خاطر درج کئے۔ مزید براں قرآنی آیات، عربی فقروں اور تصوف کی اصطلاحات کی مفصل شرح بھی حاشیہ پر دی ہے۔ ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء میں یہ ترجمہ اصح المطابع لکھنؤ سے شائع ہوا۔

یہ اٹھارہ وصلوں پر مشتمل ہے۔ آخر میں ۳ سوالات اور ان کے جوابات ہیں۔
۱۔ فقر کیا ہے۔ ۲۔ کشف و کرامت کیا ہے ۳۔ بعد ترک دنیا کے آیا دنیا سے کچھ ضرر بھی پہونچتا

---

[1] مناظر الشہود فی مراتب الوجود ص: ۴۔۳۔

ہے یا نہیں۔

پہلی وصل میں شیخ ابراہیم کردی، حافظ سخاوی ابو منظفر سمعانی کا بیان لکھا ہے کہ یہ قول حضرت یحییٰ معاذ رازی کا ہے، ملا علی قاری نے المصنوع فی احادیث الموضوع میں لکھا ہے کہ علامہ ابن تیمیہؒ کے نزدیک یہ حدیث من عرف نفسہ فقد عرف ربہ موضوع ہے لیکن مصنف کا قول ہے کہ اہل کشف کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے اور وہ اس کو اپنی کتابوں میں بصیغۂ جزم (یقین) بطریق حجت لائے ہیں منجملہ ان کے حضرت شیخ محی الدین ابن عربی ہیں کہ جنھوں نے اس حدیث کو اپنی کتاب عقلۃ المستوفز میں بصیغۂ جزم لکھا ہے اور یہ لکھا ہے کہ عقل اول نے وجود نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے نفس کو پہچانا اور اس کی معرفت سے اپنے ایجاد کرنے والے کو جانا اور حضرت شیخ نے اپنی دوسری کتاب بلغۃ الغواص میں لکھا ہے کہ شناخت ربوبیت بشناخت نفس ہے جیسا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا اور یہ بھی آپؐ نے فرمایا کہ تم لوگوں میں جو شخص اپنے نفس کا زیادہ عارف ہے وہ ہی اپنے پروردگار کا زائد عارف ہے اور اسرائیلیات میں ہے کہ اے انسان معرفت رب کے لئے اپنے نفس کی معرفت حاصل کر اور کلام مجید میں ہے:

نَسُوا اللّٰہَ فَاَنْسٰھُمْ اَنْفُسَھُمْ یعنی انہوں نے اللہ کو بھلا دیا۔ تو اللہ نے ان پر ان کی ذاتوں کو بھلا دیا۔ یہ آیت اس حدیث کے شواہد میں سے ہے اور میں نے کسی کو سوائے حضرت شیخ اکبر کے اس پر تنبیہ کرتے نہ دیکھا۔ اس عبارت سے دلیل لانے کی وجہ نفس کی پہچان سے رب کی پہچان متعلق ہونے پر یہ ہے کہ اگر یہ ارتباط نہ ہوتا تو ان کا اللہ کو بھول جانا اپنی ذاتوں کے بھول جانے کا سبب نہ ہوتا کیوں کہ اپنے آپ کو بھول جانا محض اس وجہ سے ہے کہ وہ اللہ کو بھول گئے کیونکہ جن دو امروں میں کسی طرح کا ارتباط نہ ہو ان میں یہ ممکن ہے کہ ایک مع دوسرے کے نسیان کے پہچانا جائے لیکن ان کا اللہ کو بھول جانا ان کی اپنی ذاتوں کو بھول جانے کا سبب

ہے۔ پس معرفت نفس معرفت رب کو مستلزم ہوئی۔[1]

علاوہ ازیں یہ بھی ہے کہ معرفت نفسی بنظر عقلی حاصل نہیں ہوتی، انسان کامل کی ترکیب تین چیزوں سے ہے۔ روح حیوانی اور حقیقت خواب، نفس و روح کے معانی، مجاہدہ اور علم باطن وغیرہ پر بھی گفتگو کی ہے۔

حواشی میں مرکز، عالم کبیر و صغیر، اعیان، ماسوی اللہ، اینیت، اتصال، ہیولیٰ، استہلاک، محجوبان مطلق، تطہیر ذات، تجرید ذات، تصفیہ احوال، تبلیغ فی النہایۃ، حفظ فی الرعایۃ، قلب سلیم، جیسی متعدد اصطلاحات تصوف کی تشریح کی ہے۔ مثلاً محجوبان مطلق کے سلسلہ میں حضرت مترجم قدس سرہٗ فرماتے ہیں:[2]

"محجوبان مطلق سے مراد وہ لوگ ہیں کہ جو مقام حیرت یعنی [illegible] مطلقہ پر فائز اور کل ماکان وما یکون سے بے خبر ہیں بلکہ بسبب شدت محویت و استغراق اپنے آپ سے بھی غافل ہیں اور خدا سے بھی انہیں نہ خوف ہے نہ رجا نہ امید ہے نہ یاس، نہ یافت ہے نہ حرمان۔ اس مقام پر کچھ عرصہ رہ کر انہیں یہ شک ہوتا ہے کہ ایں میں کون ہوں" اس شک کے ہوتے ہی انہیں شہود ہو جاتا ہے اور وہ ذرہ ذرہ میں [illegible] کو پاتے ہیں اس طرح پر کہ ذرہ ذرہ بھی اپنا وجود [illegible] کو رفع کرتے اور ان کو استغراق بخشتے ہیں جو کاملین کے لئے ان سے ارشاد ہوا ہے کہ اَلَا اِنَّھُمْ فِیْ مِرْیَۃٍ مِّنْ لِّقَاءِ رَبِّھِمْ اَلَا اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ[3]۔ واضح ہو کہ صفحہ اول کتاب ہذا میں لفظ اغیار پر حاشیہ لکھا گیا ہے۔ ظاہر میں محجوبان مطلق اور اغیار کے معنی قریب قریب ایک معلوم ہوتے ہیں

---

[1] ہدیۃ الشرف فی ترجمہ من عرف، ص ۴۰۔ [2] ایضاً ص ۲۸۔ [3] سورۂ حم سجدہ آیت ۵۴، رکوع ۶۔ جان لو کہ وہ اپنے رب کی ملاقات سے دھوکہ میں ہیں وہ ہر چیز کو اپنے گھیرے میں لئے ہے۔

مگر در اصل بہت فرق ہے۔ اغیار سے مراد محجوبان عن الحق ہیں اور وہ وہ لوگ ہیں جو خدا سے یعنی اپنی ہستی سے محض غافل ہیں اور سلوک کا نام تک انہوں نے نہیں سنا ہے اور محجوبان مطلق سے مراد یہ حضرات ہیں کہ جن کا ذکر کیا گیا۔"

۸۔ **فاتح الابصار** : مولانا شاہ علی انور قلندر قدس سرہٗ سے سلسلہ چشتیہ کے ایک بزرگ نے گیارہ سوالات کئے تھے جن کے مفصل و مدلل جوابات آنجناب نے دئے تھے۔ یہ رسالہ فارسی زبان میں تھا۔ مترجم موصوف نے اس کا اردو ترجمہ کیا جو ۱۳۲۰ھ میں مطبع سرکاری ریاست رام پور سے مع اصل متن شایع ہوا۔ سوالات دلچسپ تھے مثلاً خدا کون ہے؟ قیامت میں خدا کا دیدار و ملاقات کیونکر ہوگی؟ اگر مسئلہ وحدت وجود حق ہے تو عذاب و ثواب کیا؟ اشیاء کی معرفت کیونکر حاصل ہوتی ہے؟ جبرئیل کہاں سے ہیں وغیرہ۔

حضرت مترجم نے جوابات کے ضمن میں جو اصطلاحات صوفیہ آئی ہیں حواشی پر ان کی شرح بھی کردی ہے۔

۹۔ **کشف الدقائق عن رموز الحقائق** : اس رسالہ کے مصنف بھی حضرت مترجم کے والد بزرگوار ہیں۔ جنھوں نے حقائق و معارف سے متعلق ۱۹ سوالوں کے جواب میں یہ تصنیف فرمائی مثلاً مرتبہ ذات کیا ہے، مشاہدہ و مکاشفہ اور تجلی میں کیا فرق ہے، دل کیا ہے، توحید کیا ہے، نبوت افضل ہے یا ولایت بعضوں نے جو یہ کہا کہ ولایت افضل ہے اس کے کیا معنی ہیں۔ جس وقت جبرئیلؑ حضرت دحیہؓ کی صورت میں آتے تھے تو دحیہؓ کی اصل صورت کہاں جاتی تھی اور جبرئیلؑ کی یہ نوعی صورت کیا ہوتی تھی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تمام امتیوں کے باپ ہیں تو آپؐ کا نکاح ازواج مطہراتؓ سے جو آپؐ کی بیٹیاں ہوتی تھیں کیسے درست ہوا؟ وغیرہ

یہ رسالہ ۱۰۴ صفحات پر مشتمل ۱۳۲۲ھ میں مطبع سرکاری رام پور سے شائع ہوا۔

۱۰۔ **المعتقد المعتبر فی بیان ایمان آباء النبی الکریم** : مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر قدس سرہٗ نے اس عربی رسالہ میں دراصل ان لوگوں کو مسکت جواب دیا ہے جنھوں نے خواہ مخواہ اس بحث کو چھیڑ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ماجدین کے ایمان کا انکار کیا ہے۔ شاہ صاحبؒ نے اس میں منکرین کے اقوال درج کرنے کے بعد آخر میں محاکمہ فرمایا اور کعب لسان پر زور دیا ہے۔ رسالہ کے آخر میں مولانا وکیل احمد سکندر پوری کے مندرجہ ذیل دو سوالوں کے تفصیلی جواب بھی ہیں۔ رسالہ ایک مقدمہ چار فصول اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔

۱۔ یہ عقیدہ صحیح ہے یا غلط کہ نور محمدیؐ نور الٰہی سے پیدا ہوا ہے اور کل چیزیں نور محمدیؐ سے موجود ہوئی ہیں اور لفظ کل اور نور کی تشریح اور کیفیت پیدائش نور مطلوب ہے۔

۲۔ اگر کوئی فلاں نبی یا ولی کہہ کر دعا مانگے تو جائز ہے کہ نہیں۔

شاہ تقی حیدر قلندر قدس سرہٗ نے اس مفید رسالہ کا بھی اردو ترجمہ کیا اور ۱۳۲۱ھ میں اصح المطابع لکھنؤ سے مع عربی متن طبع ہوا۔

۱۱۔ **زواہر الافکار شرح جواہر الاسرار** : شیخ محمد مقیم ہرویؒ نے جواہر الاسرار نامی رسالہ میں اکتیس ۳۱ سوالات لکھے۔ مولانا حافظ شاہ علی انور قلندرؒ نے ان تمام سوالوں کے شرح و بسط سے جوابات دئے۔ حکما و صوفیہ کے اقوال اور اشعار بھی جا بجا ہیں۔ مترجم موصوف نے مصنف کے مافی الضمیر کو خوب ادا کیا اور شستہ اردو میں اس کا ترجمہ کرکے ۱۳۲۱ھ میں اصح المطابع لکھنؤ سے شائع فرمایا۔

چند سوالات اس طرح ہیں۔ شیطان نے حضرت آدمؑ کو سجدہ کیوں نہ کیا۔ جب ایجاد خلق سے اظہار فضل مقصود ہے تو دوزخ و عذاب کس لئے ہے؟ گناہ کیوں ہوتے ہیں، جب خدا کریم و

جواد ہے تو کیوں بعض لوگ محتاج ہیں۔ موت کیا ہے۔ خدا کو جب ہر نیک و بد کا علم ہے تو میزان قائم کرنے کی کیا ضرورت؟ وغیرہ۔

۱۲۔ تصفیہ شرح تسویۃ : التسویۃ بین الافادۃ والقبول۔ شاہ محب اللہ الٰہ آبادی قدس سرہٗ (۹۹۶ھ/۱۵۸۷ء - ۱۰۵۸ھ/۱۶۴۸ء) کا تصوف و سلوک میں ایسا مشکل عربی رسالہ ہے کہ بقول شارحِ رسالہ مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر قدس سرہٗ۔

"واقعی منزلۃ الاقدام عرفاست واز اینجاست کہ بسیارے درپے انکار آں رفتہ واز بدعت بر شیخ تہمتہا بستہ۔۔۔"

علمائے ظاہر کے اختلاف اور شورش کے باوجود ہندوستان میں اس کی متعدد شروح لکھی گئیں۔ مذکورہ بالا شرح بھی بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ مترجمؒ نے اس رسالہ کا اردو ترجمہ کیا جو مع اصل متن و شرح کے ۱۳۴۳ھ میں لکھنؤ سے شائع ہوا۔

۱۳۔ قول المختار فی مسئلۃ الجبر والاختیار : جبر و اختیار کے مسئلہ پر ایک اہم رسالہ ہے جس میں مولف مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر قدس سرہٗ نے ایک مقدمہ، چھ اصول، پانچ تمہیدوں اور چار نکات میں اس مسئلہ کو بڑی شرح و بسط سے بیان کر دیا۔ اصل اول حقیقتِ انسانی کی شرافت و جامعیت سے متعلق اصل دوم فضائل انسانی اصل سوم چاروں عناصر کا بیان اصل چہارم نفس کے بیان اصل پنجم نفس کی طاقت کا بیان اور اصل ششم جانداروں کی اقسام کے بیان سے متعلق ہے۔ تمہیدات میں قوت فعل اختیاری، حکمت خیر و شر، بندہ کے افعال اختیاری وغیرہ کا بیان ہے اور خلق و کسب و قضا و قدر کے متعلق چار نکات درج کیے ہیں۔

حضرت مترجم قدس سرہٗ نے اس کا اردو ترجمہ فرما کر ۱۳۴۳ھ میں اصح المطابع لکھنؤ سے شائع کیا۔

۱۴۔ تنویر الافق فی شرح تبیین الطرق : رسالہ تبیین الطرق شیخ علی بن حسام الدین متقی چشتی جونپوری کا تصوف و سلوک میں ایک عربی رسالہ ہے۔ مولانا حافظ شاہ علی انور قلندرؒ نے تنویر الافق کے نام سے اس کی فارسی میں ۱۲۹۵ھ میں شرح کی تھی۔ مترجم نے اس شرح کا اردو ترجمہ فرمایا۔ یہ بھی ۱۳۴۳ھ میں زیور طبع سے آراستہ ہوا۔

۱۵۔ نخبۃ الصوارف فی شرح خطبۃ العوارف : اس فارسی رسالہ میں حافظ شاہ علی انور قلندر قدس سرہٗ نے شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے خطبہ عوارف کے ہر ہر لفظ کی مفصل شرح اور ہر فقرہ کی بڑی عمدہ توضیح کی ہے۔ مترجم موصوف نے اس فارسی رسالہ کا سلیس اردو ترجمہ فرمایا جو ۱۳۴۴ھ میں لکھنؤ سے طبع ہو کر منظر عام پر آیا۔

۱۶۔ مجموعہ ہفت رسائل قلندریہ : اس مجموعہ میں سلسلہ قلندریہ کے چار بزرگوں کے سات رسائل تصوف و سلوک سے متعلق ہیں جن کی ترتیب اس طرح ہے۔

۱۔ رسالہ بیعت رضوان۔ مصنفہ سید شاہ باسط علی قلندر الہ آبادیؒ (م ۱۱۹۶ھ)

۲۔ رسالہ مصقلۃ الاولیاء شرح مرآۃ القلندریہ۔ مصنفہ شاہ عبد الرحمن قلندر ثانیؒ الہ آبادی (م ۱۱۹۹ھ)

۳۔ رسالہ شہود المقربین۔ شاہ عبد الرحمن قلندر ثانیؒ (۱۱۹۹ھ)

۴۔ رسالہ مراقبۃ الوجود۔ سید فضل علی ہرگامیؒ

۵۔ رسالہ یقظۃ النائمین۔ سید محمد حامد ہرگامیؒ (م ۱۲۴۱ھ)

۶۔ رسالہ تصوف 〃 〃 〃

۷۔ رسالہ دیگر 〃 〃 〃

مترجم موصوف نے ان ساتوں رسائل کا سلیس و شستہ زبان میں ترجمہ کرنے کے علاوہ حواشی میں عربی عبارتوں کے اردو تراجم بھی درج فرما دیے جس سے ان کی افادیت زیادہ ہو گئی۔

ہر رسالہ حقائق و معارف اور اسرار کی بنا پر الگ الگ حیثیت اور اہمیت کا حامل ہے۔ اس مجموعہ پر اگرچہ سنہ طباعت نہیں ہے مگر قیاس یہ ہے کہ ۱۳۵۵ھ کے بعد کا ہے۔

۱۷۔ **جواھر المعارف**: یہ حقائق و معارف اخلاق و تصوف وغیرہ سے متعلق مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر کے ان ۱۲۱ مکاتیب کا مجموعہ ہے جو آنجناب نے مختلف اوقات میں اپنے مریدین و مسترشدین کے خطوط کے جواب میں تحریر فرمائے۔ اس میں تصوف کے رموز و نکات بھی ہیں اور مریدین کے اشکالات کے شافی و کافی جوابات بھی۔ ۱۰۵ مکتوبات اردو زبان میں اور ۱۶ مکتوبات فارسی میں ہیں۔ مرتب مکاتیب مولانا شاہ تقی حیدر قلندر نے جواہر المعارف پر ایک مقدمہ تحریر کیا اور ان مکاتیب کو ترتیب دے کر ہر مکتوب کے بارے میں ایک ایک سطر کا جامع سرنامہ (خلاصہ) تحریر کر دیا۔

۱۸۔ **تحفہ نظامیہ**: بانی خانقاہ حضرت شاہ محمد کاظم قلندر کے جد اعلیٰ حضرت مخدوم شیخ نظام الدین علوی عرف شیخ بھکاری (۸۹۰ھ/۱۴۸۵ء ۔ ۹۸۱ھ/۱۵۷۴ء) نے تین سوالات

۱۔ جب مرید مرشد کی مدد سے معرفت کے مقام پر پہنچتا ہے تو اپنی ذات سے باہر کوئی چیز دیکھتا ہے یا سب اپنی ہی ذات میں ۲۔ لفظ تمثل جس کا تذکرہ بعض سلوک کی کتابوں میں ہے اس کے کیا معنی ہیں ۳۔ عاشق کو جب معشوق سے وصل ہوتا ہے تو وہ مرد کی صورت میں یا عورت کی صورت میں۔

شاہ تقی حیدر قلندر نے حضرت مخدوم صاحب کے اس رسالہ کو تحفہ نظامیہ کے نام سے موسوم کر کے اردو ترجمہ فرمایا اور ۱۹۲۰ء میں اصل متن کے ساتھ شائع کیا[1]

۱۹۔ **واقعات رشیدی**: مولوی ارشید الدین خاں بن مفتی خلیل الدین خاں علوی

[1] ملاحظہ ہو راقم حروف کا مقالہ معارف جولائی۔ اگست ۱۹۸۵ء اعظم گڑھ۔

سیر شاہ اودھ نے مولانا شاہ علی اکبر قلندر والد ماجد مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر قدس سرہما کے اصرار و فرمایش پر ۱۲۹۶ھ میں اپنے بعض باطنی واقعات اور عالم مثال کے مشاہدات کو فارسی میں قلم بند کیا تھا۔ مولانا شاہ تقی حیدر قلندر نے اس کا اردو ترجمہ فرمایا جو اصل فارسی متن کے ساتھ ۱۹۲۳ء میں شائع ہوا۔

۲۰۔ **تعلیمات قلندریہ**: مشائخ قلندریہ کے تصوف و اخلاق کی تعلیم سے متعلق یہ ایک سو چوالیس فارسی مکتوبات کا مجموعہ اسرار و رموز کا گنجینہ ہے۔ شاہ صاحب نے سنہ ۱۳۵۱ھ میں اس کو مرتب کر کے تعلیمات قلندریہ تاریخی نام سے ایک جامع مقدمہ لکھ کر شائع فرمایا۔

حضرت شاہ مجتبیٰ معروف بہ شاہ مجا قلندر ملاہر پوری، شاہ ابو نجیب قلندر، شاہ محمد تقی قلندر رسولپوری، شاہ ابو یوسف قلندر، شاہ علی مظہر قلندر، شاہ محمد کاظم قلندر، شاہ تراب علی قلندر، شاہ تقی علی قلندر، شاہ علی اکبر قلندر، شاہ علی انور قلندر اور دوسرے ۹ بزرگان قلندریہ کے مکاتیب اس مجموعہ کی زینت ہیں۔

۲۱۔ **فیوض العارفین**: یہ حضرات مشائخ قلندریہ کے ۷۵ مکتوبات کا مجموعہ ہے جس کو مرتب نے فیوض العارفین (۱۳۳۸ھ) تاریخی نام سے موسوم کر کے النافر پریس لکھنؤ سے شائع فرمایا۔

۲۲۔ **کشف الآثار فی رد کاشف الاسرار**: حضرت مؤلف کے پیر و مرشد اور برادر معظم مولانا شاہ حبیب حیدر قلندر قدس سرہ کے ایک عزیز نے جن کو حضرت کی مرجعیت و محبوبیت کی بنا پر بلاوجہ عناد پیدا ہو گیا تھا۔ طریقت سے ناواقفیت کی بنا پر حضرت شاہ صاحب و بعض پیران سلسلہ پر الزام تراشی کی ناروا سعی کاشف الاسرار نامی رسالہ سے کی۔ شاہ تقی حیدر قلندر سے یہ گستاخی بھلا کیسے برداشت ہوتی۔ چنانچہ اردو میں ۴۰ صفحات پر ایک رسالہ اس کے رد میں تحریر فرمایا۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہی الگ نہیں فرمایا۔ بلکہ طریقت کے ایسے مسائل واصول اور رموز

اور تربیت و اصلاح کے ایسے طریقے قلمبند فرما دئے کہ خانقاہی نظام کے لئے بھی ایک اہم دستاویز ہوگئی، اس میں صاحب رسالہ کی شوخی تحریر بھی جا بجا نظر آجاتی ہے۔

۲۳۔ مکتوبات حضرت وارث الانبیاءؒ : حضرت مولانا شاہ حبیب حیدر قلندر قدس سرہٗ کے تمام مکاتیب جو طالبین و صادقین اور مریدین و مسترشدین کی تعلیم و تربیت کے واسطے آنجناب قدس سرہٗ نے تحریر فرما دئے تھے، ان کو بڑی تلاش و جستجو سے جمع کر کے مرتب کیا تعداد مکاتیب ۱۷۶ ہیں۔ مکاتیب کی اشاعت کی نوبت نہ آسکی کہ ۲۸ اپریل ۱۹۴۰ء / ۱۹ ربیع الاول ۱۳۵۹ھ کو انتقال فرمایا۔ بعد میں مرتب کے برادر خرد مولانا حافظ شاہ علی حیدر قلندر قدس سرہٗ نے تذکرۂ حبیبی جلد دوم میں انہیں شامل کر لیا۔

۲۴۔ نفحات العنبریۃ من انفاس القلندریۃ : سلسلہ عالیہ قلندریہ کے مشائخ و بزرگوں کے حالات و ارشادات اور تعلیمات کے سلسلہ میں سب سے پہلا جامع و مستند تذکرہ ہے جسے حضرت نے بڑی دیدہ ریزی تحقیق و جستجو اور محنت سے مرتب فرمایا اور اتحاف الاخیار تاریخی نام رکھا۔ اس تذکرہ میں ایک مقدمہ سولہ نفحات اور ایک خاتمہ ہے۔ ۱۳۳۹ھ میں یہ تقریباً ۲۰۰ صفحات پر مشتمل شائع ہو کر طبقہ صوفیہ میں بہت مقبول ہوا۔ اس موضوع پر سب سے اولیں مبسوط اور جامع تذکرہ ہے۔

۲۵۔ اذکار الابرار (نفحات العنبریہ من انفاس القلندریہ) نفحات العنبریہ کا پہلا ایڈیشن ۱۳۳۹ھ میں منظر عام پر آیا اور بہت جلد اپنی افادیت و مقبولیت کی وجہ سے ختم ہوگیا چنانچہ حضرت مصنف نے از سر نو اس کتاب پر نظر ثانی کی اور بقول خودؒ :

"تب میں نے ۱۳۴۵ھ سے اس کو دوبارہ بغرض درستی عبارت و حذف بعض مضامین و اضافہ اکثر و بیشتر حالات دیکھنا شروع کیا چار پانچ سال تک دیکھتا رہا اور مضامین وقتاً فوقتاً بڑھتا

رہا، اس قدر مضامین بڑھے کہ کتاب پہلے سے زائد بڑھ گئی جس کا اندازہ قدیم و جدید نسخوں کو پیش نظر رکھ کر کیا جاسکتا ہے۔ ۱۳۵۱ھ میں میری آنکھوں میں نزول الماء کی شکایت پیدا ہوگئی لکھنے پڑھنے سے معذوری ہوگئی تب میں نے اس مسودہ کو طاق نسیاں پر رکھ دیا اور منتظر تائید غیبی رہا۔ ۱۳۵۹ھ میں داہنی آنکھ قدح ہوئی جس سے وہ معذوری کچھ رفع ہوئی مگر آنکھ کھلتے ہی عالم نظر میں تیرہ و تار ہوگیا یعنی دو ماہ کے بعد ہی حضرت خداوند نعمت (مولانا شاہ حبیب حیدر قلندر قدس سرہٗ) نے وصال فرمایا جس کے صدمہ و رنج نے بینائی پر بہت اثر ڈالا۔ بہرحال رضینا بقضاء اللّٰہ اپنی زبوں حالی و پریشانی خاطری پر اشک حسرت بہاتا اور وقت گذاری کے تدابیر سوچتا رہا وسط ۱۳۵۹ھ میں دفعۃً کتاب درست کر ڈالنے اور مسودہ صاف کرنے کی خواہش نیز حضرت خداوند نعمت قدس سرہٗ کے حالات اس میں بڑھانے کی فرمائش ہوئی میں نے ہمت کی اور اس امر اہم کی انجام دہی پر متوکلاً علی اللہ مستعد ہوگیا اور تقریباً چھ ماہ کی مدت میں اس کام کو ختم کر لایا۔"

یہ ضخیم تصنیف اذکار الابرار تاریخی نام سے ۱۳۵۹ھ میں شایع ہوئی۔ اس میں چالیس کتابوں اور مستند ماخذ سے مدد لی گئی۔ ایک مقدمہ، سترہ نفحات اور ایک خاتمہ ہے۔ مقدمہ میں لفظ قلندر کی مکمل و مفصل تشریح مقام قلندری، ۱۹ [illegible] حضرات کے اسماء وغیرہ کا تذکرہ ہے۔ پہلا نفحہ حضرت شیخ عبدالعزیز مکی معروف بہ عبد اللہ عم بزدار قدس سرہٗ سے متعلق ہے جس میں آپ کا اصحابِ صفہ میں شمول، آپ کا نام اسماء الرجال میں نہ ہونے کی وجہ، درازی عمر و تمثیل دیگر معمرین، جو سلسلہ ان سے جاری ہوا اس کی اقسام سلسلہ مصافحہ، ان کے خلفاء و مریدین وغیرہ کا تذکرہ ہے۔

آخری نفحہ حضرت شاہ حبیب حیدر قلندر قدس سرہٗ سے متعلق تقریباً سو صفحات پر

پھیلا ہوا ہے، جس میں جامعیت سے ان کی پوری حیات، مسترشدین، تعلیمات، تصانیف، سیرت سبھی کچھ تحریر کر دیئے گئے ہیں۔

خاتمہ کتاب میں ایک تفصیلی جدول ہے جس میں ان تمام حضرات کا جن کا تذکرہ کتاب میں آیا ہے، سنہ و تاریخ و ماہ ولادت، وفات، مدت عمر، مدفن اور اگر کسی میں اختلاف ہے تو وہ بھی درج ہے۔ نفحات العنبریہ میں خاتمہ میں ان اصحاب کرام و اولیائے عظام و علماء و صالحین کے اسماء بھی درج ہیں، جن کے اسماء کتاب میں ضمنی طور پر آگئے ہیں اور سب کی تاریخ و ماہ و سنہ ولادت، وفات، مدت، عمر، مدفن وغیرہ کی تحقیق بھی ہے۔ علاوہ ازیں سلاطین و امراء و روسار کے اسماء کے ساتھ بھی اسی طرح تحقیق کی گئی ہے۔

چونکہ راقم الحروف کی نظر میں نفحات العنبریہ یا اتحاف الاخیار اور اذکار الابرار دو الگ الگ محققانہ تصانیف کی صورت میں منظر عام پر آئی ہیں۔ اسی لئے اس نے ان کو تصانیف شمار کیا ہے۔

بزم صوفیہ

مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمن مرحوم

اس میں تیموری عہد سے پہلے کے صاحب تصنیف اکابر صوفیہ حضرت شیخ ابوالحسن علی ہجویریؒ، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ، شیخ بہاء الدین زکریا، خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ، خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، شرف الدین بن یحییٰ منیریؒ، سید جلال مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ، مخدوم شاہ عبدالحق ردولوی وغیرہ ۱۹ صوفیہ کبار کے حالات و تعلیمات و ارشادات بیان کئے گئے ہیں۔

قیمت ۱۴۰ روپے

مطبوعات جدیدہ

یادگار نامہ قاضی عبدالودود، مرتبین، پروفیسر نذیر احمد، پروفیسر مختار الدین احمد و پروفیسر شریف حسین قاسمی، متوسط سے قدرے بڑی تقطیع، عمدہ کاغذ و کتابت و طباعت مجلد مع گرد پوش، صفحات ۴۶۰، قیمت ۶۰۰ روپے، پتہ: غالب انسٹی ٹیوٹ، ایوان غالب مارگ، نئی دہلی ۲۔

اردو، فارسی اور غالبیات میں خاص طور پر، تحقیق و تنقید کے اعلیٰ معیار نے قاضی عبدالودود کو شہرت عام بخشی اور متنی تحقیق کے باب میں وہ معتبر قرار دیئے گئے، غالب انسٹی ٹیوٹ کی تشکیل میں قاضی صاحب کا حصہ نمایاں تھا، اس لئے زیر نظر یادگار نامہ ان کی خدمات کے اعتراف اور جذبۂ احسان شناسی کے طور پر شائع کیا گیا جو قریب بیس مقالات و مضامین پر مشتمل ہے، جس میں ایک تہائی حصہ قاضی صاحب کی شخصیت اور تحقیق و تنقید میں ان کے مرتبہ بلند کے لئے خاص ہے، باقی مضامین کا تعلق غالبیات، تصوف، تاریخ اور ادبیات فارسی و اردو سے ہے، پروفیسر مختار الدین احمد کا مضمون دلچسپ معلومات کے علاوہ اس لحاظ سے بھی قابل ذکر ہے کہ یہ اولاً ۱۹۵۶ء میں لکھا گیا جس کے بعض مندرجات سے خود قاضی صاحب کو اتفاق نہیں تھا، قریب نصف صدی کے بعد اسے مقالہ نگار نے نظر ثانی کے بعد مرتب کیا ہے، آب حیات کی تنقید کے حوالے سے پروفیسر گیان چند کا مقالہ ان کے خاص تحقیقی رنگ میں ہے لیکن اس کی تمہید اردو کی قدیم داستانوں کی طرح پرتکلف ہے، لکھتے ہیں "قاضی عبدالودود زبان خامہ پر جن کا نام آنے سے طارم تحقیق کے تمام غرفے کھل جاتے ہیں اور نوریان فلک ان کی تسبیح میں زمزمہ ریز ہوجاتے ہیں" ایک مضمون لوئی ماسی نیون اور منصور حلاج کے عنوان سے ہے، ماسی نیون نے حلاج کو ابدال بتایا ہے اس کے متعلق یہ تبصرہ دلچسپ ہے کہ "اقطاب اور اوتاد اور ابدال کے ان مراتب کا تعین دور شہنشاہیت کی (؟) پیدا کردہ ہے، یہ حساب اسی شخص کو پسند آئے گا جو جمہوری مزاج نہیں رکھتا" عوارف المعارف والے مضمون میں مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے ملفوظات

خلاصۃ الالفاظ کی تاریخ ترتیب کا سن ۲۸۲ھ لکھا گیا جو یقیناً سہو کتابت ہے۔

مکتوبات ماجدی (جلد سوم): مرتب جناب ڈاکٹر محمد ہاشم قدوائی، متوسط
تقطیع، بہترین کاغذ و کتابت و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۳۵۱، قیمت ۱۵۰؍
روپے، پتہ: ادارہ انشائے ماجدی ۱۴۷-رابندر سرانی، کلکتہ-۷۳

مولانا عبدالماجد دریابادی کے مذہبی، علمی، اخلاقی اور ادبی گہر ریزوں کے جمع و ترتیب کا ایک سلسلہ مکتوبات ماجدی کی اشاعت کی شکل میں جاری ہے، زیر نظر مجموعہ اس سلسلے کی تیسری اور تازہ پیشکش ہے اور یہ اس لحاظ سے گزشتہ دونوں جلدوں سے فائق اور اہم ہے کہ اس کے مکتوب الیہم حضرات میں مولانا گیلانی، مولانا علی میاں، مولانا اکبر آبادی، رئیس احمد جعفری، مولانا اویس ندوی، گوپی ناتھ امن، ضیاء الدین احمد برنی اور نسیم قریشی جیسے ارباب علم و کمال شامل ہیں جن سے مولانا مرحوم کا تعلق علم و ادب کے علاوہ ذاتی اور نجی بھی تھا، اس بنا پر ان خطوط میں حدیث دیگراں کے ساتھ ایسے نوا ہائے راز کی بازگشت بھی ہے جن کے محرم خاص ہونے کا شرف خاص طور پر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولانا اویس ندوی ہی کو حاصل تھا، مجموعہ میں کل ۳۹۹ خطوط ہیں جن کا نصف سے زیادہ حصہ ان دونوں حضرات سے متعلق ہے، مولانا مرحوم کی علمی زندگی کے مظاہر گو متنوع ہیں لیکن ان کا اصل سرمایہ قرآن مجید اور علوم قرآنی ہیں، ان خطوط کا اغلب حصہ بھی اسی حقیقت کا شاہد ہے اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علوم قرآنی سے مولانا کو کس درجہ اور کس انداز کا شغف تھا، کہیں لکھتے ہیں کہ "قرآن مجید اور اس کے متعلقات کا کام کرنے کی ابھی بہت ضرورت ہے۔۔۔ اس کے لئے تو پوری پوری عمریں وقف کرنے کی ضرورت ہے۔۔۔ اللہ کے سامنے عہد کرلیں کہ اپنی ساری زندگی اصلاً خدمت قرآن کے لئے وقف رکھیں گے" تفسیر کے سلسلے میں کہیں مسجد حرام کے بارے میں جدید ترین تفصیلات کے علم کی خواہش ہے، کہیں دار ارقم کے متعلق سوال ہے، کہیں یہ تمنا ہے کہ "خدا کرے واپسی میں آپ کے ساتھ قرآنیات سے متعلق بھی کچھ ذخیرہ ہے، کہیں مستشرقین کے ترجمے پر حسرت و مایوسی ہے، کبھی یہ جی چاہتا ہے کہ "مستشرقین خصوصاً یروشلم یونیورسٹی کا سارا ذخیرہ اپنے قبضے میں ہوتا" شام کے مسافروں سے یہ جاننے کی تمنا بھی ہے وہاں رطب جنیا کا موسم کب آتا ہے کہ اس کی مدد سے حضرت عیسیٰؑ کی ولادت کی تاریخ متعین کی جاسکے، مولانا کے ان تفسیری اشاروں کی مدد سے خود ان کی خدمت قرآنی پر

ایک دلچسپ کتاب تیار ہوسکتی ہے۔ اس کے علاوہ ان خطوط میں ادب و زندگی کے متعلق ایک دنیا آباد ہے، دارالمصنفین اور مولانا سید سلیمان ندوی کا ذکر بھی نسبتاً اور قدرتاً ان میں زیادہ ہے اور محبت و تعلق کے ساتھ چند ناگوار مقامات کا بھی ذکر ہے لیکن یہ اظہار تقاضائے بشریت کے بالکل منافی نہیں بلکہ ان سے مولانا کے ذہن و مزاج کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے جو عین حق و صداقت اور پاکیزہ اخلاق و کردار کا آئینہ ہے، مولانا کا یہ مسلک بھی بار بار واضح ہوتا ہے کہ "اس وقت لوگوں کو دائرہ ایمان میں رکھنے زیادہ سے زیادہ توسع سے کام لینا ہے، ابوحنیفہ کے قول سے نہ کہ احمد رضا خاں کے قول سے ہی"۔ حق یہ ہے کہ اس مجموعہ میں سینکڑوں کتابوں، مسئلوں، بحثوں اور نکتوں کا عطر آگیا ہے، بہترین طباعت کے ساتھ کتابت کی غلطیاں خاصی ہیں اور کہیں کہیں تو یہ تکلیف دہ ہیں۔

طبی مقدمے: از جناب حکیم سید ظل الرحمن، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت،
مجلد مع گرد پوش، صفحات ۲۰۴، قیمت ۱۰۰؍روپے، پتہ: پبلی کیشن ڈویژن، علی گڈھ
مسلم یونیورسٹی، علی گڈھ-۲

علم و فن طب میں مہارت و حذاقت کے باب میں اس کتاب کے فاضل مصنف محتاج تعارف نہیں، عصر جدید میں طب قدیم کے احیاء، فروغ اور ترقی کے لئے ان کی قابل تحسین مساعی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ طبی موضوعات پر ان کی دو درجن سے زیادہ کتابیں شائع ہوچکی ہیں جن کے متعلق یہ کہنا بالکل درست ہے کہ ہر کتاب اپنے موضوع پر مستند ماخذ ہے، حکیم صاحب کا فضل عاطفت عام چنانچہ انہوں نے دوسرے لکھنے والوں کی بھی عملاً مسلسل حوصلہ افزائی کی اور ان کی کتابوں پر مفید عالمانہ مقدمے سپرد قلم کئے، اس کتاب میں ایسے ۳۵ مقدموں کو جمع کیا گیا ہے جو کلیات، تشریح، علم الادویہ، تشخیص و معالجات، تاریخ طب اور لغت وغیرہ موضوعات پر مشتمل کتابوں میں شامل تھے، یہ مقدمے محض روایتی اور تعریفی نہیں بلکہ ان میں کتاب کی روح اور ایسی باتیں آگئی ہیں جو اصل کتاب کی اہمیت کو سوا کرتی ہیں، طب سے تعلق رکھنے والوں کے لئے یہ مقدمے کسی موسوعہ طبیہ سے کم نہیں۔

کلیات شیخ الہند: مرتبہ: از ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری، متوسط تقطیع،
کاغذ و طباعت بہتر، مجلد صفحات ۱۳۶، قیمت درج نہیں، پتہ: مکتبہ شاہد، ۹/۱
علیگڑھ کالونی، کراچی- پاکستان۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ کی باکمال شخصیت کے آئینہ میں تفسیر، حدیث، فقہ تصوف، تدریس اور جہاد کے رنگ اس طرح جھلملاتے ہیں کہ ہر رنگ دامن نظر میں سماتا جاتا ہے، ان کی مصروف ترین مومنانہ زندگی میں شاعری کے لمحات کی گنجائش نہیں تھی لیکن اپنے والد ماجد مولانا ذوالفقار سے جو ادبی ذوق ان کو ورثہ میں ملا اس کی برکت سے شعری دنیا بھی محروم نہیں رہی، انہوں نے قصائد کہے اور مرثیوں کے ذریعہ اپنے درد و غم کا اظہار بھی کیا، ان کے ان اشعار کا ایک مجموعہ زمانہ ہوا دیوبند سے شائع ہوا تھا اب ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری نے اس نایاب مجموعہ کو اپنے مفصل و مفید مقدمہ کے ساتھ شائع کر دیا، انہوں نے حضرت شیخ کے محاسن شعری پر بھی عمدہ تبصرہ کیا، نوادر کی تلاش و بازیافت ڈاکٹر صاحب کی زندگی کا ایک خاص مقصد ہے، اس کتاب سے بھی یہ پورا ہوتا ہے اور اس کے لئے وہ شکریے کے مستحق ہیں۔

تعلیم شناسی: از جناب انیس چشتی، متوسط تقطیع، بہترین کاغذ و طباعت، صفحات ۱۲۷، قیمت ۱۰۰ روپے، پتہ: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی۔

جناب انیس چشتی، مہاراشٹر کے تعلیمی حلقوں میں ایک فعال و متحرک شخصیت کی حیثیت سے معروف ہیں، اب ان کی خدمات کا دائرہ وسیع تر ہوتا جاتا ہے، ادب اسلامی اور پیام انسانیت جیسے اداروں سے ان کی وابستگی ان کے نفع کے عام ہونے کا ذریعہ بن گئی ہے، بچوں کی تعلیم و تربیت کا ان کو عملی تجربہ ہے، ان کی کئی کتابیں اس سلسلے میں شائع ہو چکی ہیں، اب زیر نظر کتاب میں انہوں نے نصاب، تعلیم، معلم، اسکول، بچوں کی نفسیات جیسے موضوعات پر اس طرح اظہار خیال کیا ہے کہ موجودہ دور کے ان مسائل پر بڑے دلچسپ انداز میں کام کی باتیں آجاتی ہیں، دوران گفتگو اعداد و شمار کے ایسے حقائق بھی وہ بیان کر جاتے ہیں جن سے کم لوگوں کو واقفیت ہے، بچوں اور مربیوں کے ساتھ یہ کتاب تعلیم سے تعلق رکھنے والے ہر ذمہ دار فرد کے مطالعہ میں آنی چاہئے۔